ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 12 شمارہ 02
فروری 2026ء

جنگ میں شکست کو میز پر فتح کرنے کا منصوبہ

ڈاکٹر اسامہ الاشقر

حماس کو غیر مسلح کیسے کیا جائے گا؟

انٹرنیشنل فراڈ کسی صورت بھی قابل قبول نہیں

بورڈ آف پیس: یو این او کو ناکام بنانے کا راستہ | آزاد فلسطینی ریاست ہی امن کی ضامن | بورڈ آف پیس: پاکستان کو کیوں الگ رہنا چاہیے؟

نقاب پوش کا آخری خط!!

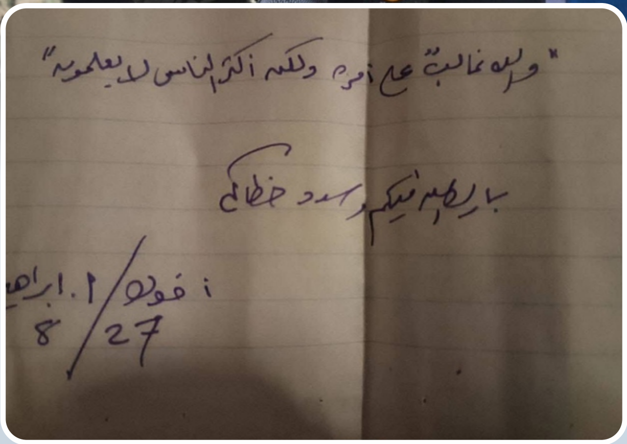

"والله غالبٌ على أمره ولكن أكثر الناس لا يعلمون"

بارك الله فيكم وسدد خطاكم

أخوكم/ أبو إبراهيم
27/8

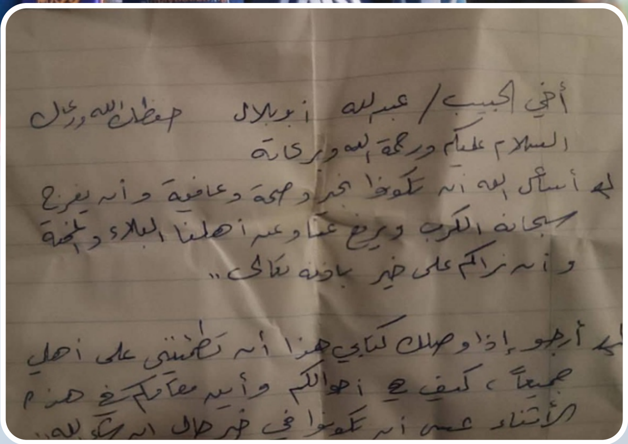

أخي الحبيب/ عبد الله أبو بلال حفظك الله ورعاك

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

أسأل الله أن تكونوا بخير وصحة وعافية وأن يفرج سبحانه الكرب ويرفع عنا وعن أهلنا البلاء والمحنة وأن يراكم على خير بإذنه تعالى.

أرجو إذا وصلك كتابي هذا أن تطمئنني على أهلي جميعاً، كيف هي أحوالكم وأين مكانكم في هذه الأثناء عسى أن تكونوا في خير حال إن شاء الله

شہادت سے صرف 48 گھنٹے قبل نقاب پوش نے اپنی فیملی کو ایک مختصر خط بھیجا تھا۔ جسے ان کے بھائی عبداللہ الکحلوت سامنے لائے۔ اس خط میں نقاب پوش نے اپنی محبت، فکر اور ایمان کی جھلک بخوبی پیش کی۔

خط میں لکھا تھا:

''میرے عزیز بھائی عبداللہ، اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں دعا گو ہوں کہ آپ سب خیریت اور صحت مند ہوں اور اللہ ہمارے اور آپ کے اور تمام مسلمانوں کے اوپر سے بلا اور مصائب دور کرے اور ہم سب کو ہر شر سے محفوظ رکھے، آمین یا ربّ العالمین۔

میری درخواست ہے کہ جب یہ خط آپ تک پہنچے تو اپنے تمام اہل خانہ کی خیریت کا یقین کرائیں اور بتائیں کہ اس وقت آپ سب کہاں ہیں اور کیسی حالت میں ہیں۔ دعا ہے کہ سب بخیر ہوں، ان شاء اللہ۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ سے روبرو ملاقات ہو، کیوں کہ میں آپ سب کو بہت یاد کر رہا ہوں۔

خط کا اختتام وہی قرآن کی آیت سے ہوتا ہے، جس سے وہ اکثر اپنے خطوط بل کہ خطاب کو بھی مکمل پڑھتے تھے:

''اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(القرآن: یوسف 21)

یہ آخری پیغام نہ صرف ان کے بھائی اور اہلِ خانہ کے لیے ایک یادگار ورثہ ہے، بل کہ ایمان، صبر اور اللہ پر توکل کی اعلیٰ مثال بھی پیش کرتا ہے، جو ہر قاری کے دل کو گہرائی سے چھو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نقاب پوش کو قرب کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 02 فروری 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

اس شمارے میں

■ کلام اقبال ■ اداریہ

جنگ میں شکست کو میز پر فتح کرنے کا منصوبہ

غزہ امن بورڈ: یواین او کو ناکام بنانے کا راستہ

غزہ امن بورڈ: پاکستان کو کیوں الگ رہنا چاہیے؟

آزاد فلسطینی ریاست ہی امن کی ضامن

- غزہ کو غیر مسلح کرنے کا ٹاسک
- بی بی سی کی اسرائیل نواز تربیت کوئی نئی بات نہیں
- فلسطینی جھوٹ بولتے ہیں، امریکی سچ کہتے ہیں!
- غزہ برباد کرنے والے اپنے پرائے کون تھے؟
- غزہ کو غائب نہ ہونے دیں
- غزہ این جی اوز پر پابندیاں
- غزہ: نسل کشی بھول جائیں، ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے
- غزہ سے وینزویلا تک قدرتی وسائل پر قبضے کیلئے ٹرمپ کیوں ہلکا ہو رہا ہے؟
- چھلنی کے ذریعے بیوی اور بچوں کی باقیات کی تلاش
- غزہ میں قابض اسرائیلی فوج کی فائرنگ سے 18 فلسطینی شہید

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

عقیدت کے پھول

کلامِ اقبال

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
اسی خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآل سکندری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

اداریہ

انٹرنیشنل فراڈ ناقابل قبول

امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ’’بورڈ آف پیس‘‘ کا اعلان کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیا اور کیسا بورڈ ہے۔ اسے مغربی میڈیا نے بین الاقوامی فراڈ کہا ہے۔ ہماری بدقسمتی دیکھیے کہ ہم اس بین الاقوامی فراڈ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ہماری حکومت اس فراڈ کا دفاع کر رہی ہے۔ یہ فراڈ کس کس کے ساتھ ہوا ہے؟ یہ فراڈ اقوام متحدہ کے ساتھ ہوا ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اس فراڈ کے حق میں ایک قرارداد گزشتہ سال پاس کی ہے۔ (براہ راست کے پڑھنے والے گزشتہ شماروں میں اس کی جملہ ’’تفصیلات اور خوبیاں‘‘ پڑھ چکے ہیں۔ ادارہ) قرارداد منظور کرانے کے بعد صدر امریکہ ڈونلڈ ٹرمپ دنیا کو اس بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اس کی تفصیلات بتائیں۔ اس کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی تشکیل دی۔ اس غزہ امن بورڈ میں غزہ کا کوئی نمائندہ ہی نہیں ہے بل کہ فلسطین کا بھی کوئی نمائندہ ہی نہیں ہے۔

یہ بات بھی فراموش یا نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ حماس کو شرم الشیخ مصر میں مذاکرات میں شامل کیا گیا جس میں امن کے اس معاہدے کے پہلے حصے کے مراحل طے کیے گئے۔ اس امن منصوبے یا اس کی ایگزیکٹو کمیٹی میں اس کا کوئی نمائندہ شامل نہیں کیا گیا۔

یہ فراڈ اقوام متحدہ، فلسطینیوں اور تمام متعلقین کے ساتھ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی کو علم ہی نہ ہو کہ یہ سب ایک بین الاقوامی فراڈ یا دھوکہ ہونے والا ہے۔ بہت سے لوگ کہہ رہے تھے کہ ڈونلڈ ٹرمپ ایک ناقابل اعتبار آدمی ہے۔ اس سے کسی اچھے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہر باشعور اور غزہ سے محبت کرنے والے فرد نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کر دیا تھا۔ یہ کہا تھا کہ یہ اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ چناں چہ اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ ٹرمپ نے ان تمام خدشات کو سچ ثابت کیا ہے۔ انہوں نے یہ کام اس طریقے سے کیا ہے کہ سب کو پتہ ہے کہ کھلا فراڈ اور دھوکہ ہے (یہ غزہ کے بے گناہ شہیدوں کا تمسخر اڑانے کے مترادف کام ہے)۔ کوئی ڈونلڈ ٹرمپ سے ان کے سامنے کھڑے ہو کر نہیں کہہ رہا کہ یہ آپ غزہ کے ساتھ، فلسطین کے ساتھ، بل کہ پوری دنیا کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں۔ حامد میر معروف صحافی نے اپنے وی لاگ میں بہت سے حقائق آشکار کرتے ہوئے سوالات اٹھائے کہ یہ بات اب کیوں کی جارہی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ ایک انٹرنیشنل دھوکہ ہے، فراڈ ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے اثرات ضرور مرتب ہوں گے اور یہ دور رس اثرات پاکستان کی سیاست، امن وامان، بین الاقوامی سفارت میں پاکستان کے کردار پر بھی مرتب ہوں گے۔

پارلیمنٹ کے حالیہ اجلاس کی کارروائی میڈیا پر مرتب نہیں ہوئی۔ پارلیمنٹ کی پریس گیلری میں موجود اپوزیشن ارکان کافی دیر اس امن پلان کی مخالفت کرتے رہے۔ انہوں نے قاتل، قاتل، نیتن یاہو قاتل کے نعرے بھی لگائے۔ اس میں تقاریر بھی ہوئیں۔ سینیٹ میں اپوزیشن لیڈر علامہ ناصر عباس نے اس بورڈ میں پاکستان کی شمولیت کی مخالفت کی اور اس پر شدید تنقید کی۔

مولانا فضل الرحمٰن نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ ایک نئے روپ میں نظر آئے۔ انہوں نے کم عمری کی شادی کے ایک قانون پر شدید تنقید کی اور برملا کہا کہ میں آپ کے اس قانون کو نہیں مانتا۔ میں اس کی بار بار خلاف ورزی کروں گا۔ میں کم بچیوں اور بچوں کی خود شادیاں کراؤں گا اور دیکھوں گا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ اس پر تو آپ مجھ سے اختلاف یا اتفاق کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے غزہ امن بورڈ پر شدید تنقید کی۔ حکومتی بنچوں میں پن ڈراپ خاموشی تھی۔ کسی حکومتی رکن نے حکومت کا دفاع تک کرنے کی جرأت بھی نہ کی۔

’’بورڈ آف پیس‘‘ کے نام پر ہونے والے فراڈ اور دھوکے کو حکومت پر ضرب کاری کے طور پر محسوس کیا۔ حکومت اس کی پورے پارلیمانی ایوان میں مدافعت یا حمایت نہ کرسکی۔ اب حکومت کے مختلف لوگ یا ارکان آف دی ریکارڈ یا کہیں آن دی ریکارڈ یہ کہتے پائے گئے ہیں کہ ہماری نیت پر شک نہ کریں۔ ہم نے غزہ میں امن کے عمل کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔

اگر کسی کی نیت پر شک نہ بھی کیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے انتہائی حساس معاملہ پر پارلیمان میں بحث کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ اب جب یہ بات ان سے کی جاتی ہے کہ آپ نے پارلیمنٹ میں بحث کیوں نہ کی کچھ نکتہ داں کہتے ہیں کہ اپوزیشن تو اس پارلیمان کو تسلیم ہی نہیں کرتی اور کہا جاتا ہے کہ یہ پارلیمان تو فارم 47 کی پیداوار ہے تو پھر اس پارلیمان کو اعتماد میں کیوں لیا جائے۔ گویا آپ یہ تو مان رہے ہیں کہ یہ پارلیمان فارم 47 کی پیداوار ہے۔

حکومت کے ساتھ ساتھ اپوزیشن کے کافی ارکان ایسے موجود ہیں جو غزہ امن بورڈ میں شرکت پر احتجاج کر رہے تھے۔ کسی کو یہ احتجاج نظر نہیں بھی آیا تو صحافیوں نے پریس گیلری میں یہ ضرور محسوس کیا۔ پریس گیلری میں ایک نہیں بل کہ دو کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ جب اپوزیشن کی طرف سے ''بورڈ آف پیس'' میں شرکت پر احتجاج ہو رہا تھا تو کیمرہ مین اس احتجاج کو مختلف زاویوں سے ریکارڈ بھی کر رہے تھے۔ جب پی ٹی وی سے دریافت کیا گیا کہ آپ سب کچھ ریکارڈ تو کر رہے ہیں لیکن دکھا نہیں رہے، نہ تو پی ٹی وی دکھا رہا ہے اور نہ دیگر چینل دکھا رہے ہیں، پھر اس کی اس طرح سے ریکارڈنگ کیوں کی جا رہی ہے؟ ایک صحافی پیچھے بیٹھے سن رہے تھے، وہ کہنے لگے کہ اس وقت نعرے لگانے والے اس قدر پر جوش ہیں، وہ اس کی ویڈیو فلم بنا کر کہیں اور بھیج دیں گے تا کہ ان کے خلاف کارروائی ہو۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی بات کس حد تک درست ہے یا درست نہیں ہے، پارلیمان کی کارروائی بھی ٹی وی پر نہیں دکھائی گئی۔ یہ خدشہ ضرور تھا کہ پارلیمان کا یہ اجلاس اس لیے نہیں دکھایا گیا کہ یہ پہلے سے معلوم تھا کہ اپوزیشن اس پر تنقید کرے گی اور نعرے لگائے گی تو اس کی کارروائی دکھائی ہی نہ جائے۔ یہ رویہ نیت پر شک کا رویہ ہے کہ پارلیمان کو اعتماد میں نہیں لیا۔

وزیر اعظم شہباز شریف پر دوسرا الزام یہ آیا کہ یہ پارلیمان کے کاریڈورز میں صحافی وزرائے حکومت سے یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا ''بورڈ آف پیس'' میں شرکت کابینہ میں زیر بحث آئی تھی یا نہیں؟ اس پر وہ سارے کے سارے چپ پائے گئے۔ ان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ اس بورڈ کو پاکستان کی وفاقی کابینہ میں بھی زیر بحث نہیں لایا گیا۔

یہی تو حکومت پر شک کی وجوہ ظاہر کرنے کا واضح ثبوت بن رہا تھا۔ اگر تاریخی تناظر میں بات کی جائے تو شک کی تو اور بھی وجوہات ہیں۔ اسرائیل کا دارالخلافہ یروشلم نہیں ہے اور اسے واپس تل ابیب نہیں لے جایا گیا۔ ٹرمپ نے اپنے دوسرے دور صدارت میں کوئی ایک بھی ایسا کام نہیں کیا جس سے غزہ میں امن قائم کرنے میں کسی بھی طرح سنجیدہ نظر آتے ہوں۔

اب وزیر اعظم شہباز شریف نے وفاقی کابینہ اور پارلیمان دونوں کو اعتماد میں لیے بغیر ''بورڈ آف پیس'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ اسی لیے اس پر سوالات اٹھ رہے ہیں۔ آج سے چند سال پہلے شہباز شریف خود ٹرمپ کی نیت پر شک و شبہ کا اظہار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ ٹرمپ کو ''پیس بروکر'' نہیں مانتا۔

اس کے علاوہ ایسے واقعات اور بھی ہیں جن کی وجہ سے حکمران طبقے اور طاقت ور اشرافیہ پر شک کیا جا تا رہا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے راستے تلاش کر رہی ہے۔ یہ گواہی تو سب کے سامنے ملی ہے کہ جب عمران خان وزیر اعظم تھے اور اہل وطن کو یاد بھی ہو کہ آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب کہا کرتے تھے کہ آپ ایسا کردار ادا کریں کہ پاکستان کے اسرائیل سے اچھے تعلقات ہونے چاہئیں۔ جب ان سے کہا جا تا تھا کہ اس بارے میں پارلیمان میں بحث کیوں کرائی نہیں جاتی، تو وہ اکثر یہ کہتے پائے گئے کہ پارلیمان وغیرہ کو چھوڑیں، آپ اس پر کردار ادا کریں۔ ہمارے بہت سے باوردی راہنماؤں نے صحافیوں کے ساتھ اس مسئلہ پر پروگرام بھی کیے اور اگر کسی نے (بہ شمول حامد میر) نے تنقید بھی کی اور کہا کہ یہ قائداعظم کی تعلیمات کے خلاف رویہ اور پالیسی ہے تو کہا جا تا رہا کہ آپ پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ بننے کے لیے قائداعظم اور علامہ کا نام استعمال کرتے ہیں۔ وہی لوگ، وہی صحافی اور کالم نگار جو کسی طاقت ور کے رابطوں میں رہے، انہوں نے اسرائیل سے تعلقات کے حق میں ٹی وی پروگرام بھی کیے اور ٹاک شوز میں شرکت بھی کی۔ اگر کسی نے اس پر تنقید بھی کی اور کہا کہ یہ تو قائداعظم کی تعلیمات کے خلاف ہے، پھر بھی یہی کہا گیا کہ آپ پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔

اب اس کا انجام یہ ہے کہ وہ ترقی دکھائی جائے جو اب تک یہ کام کرنے سے پہلے یا اس کے کرے کے بعد کر لی گئی ہے۔ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ چالیس سال جنگوں سے تباہ ہونے والا افغانستان بین الاقوامی پابندیوں کے باوجود پاکستان سے آگے ہے۔

پاکستان کو ایسی کوئی ترقی منظور نہیں ہے جو اس کے نظریے اور اصولوں کے خلاف حائز کی جائے کل یہ کہیں گے کہ نظریہ چھوڑ دو، یہ تو وہ بھی دریا برد کر دیں گے۔ لیکن اس قوت کو یہ سب قبول نہیں ہے۔ یہ فراڈ ہے، فراڈ ہے اور سراسر فراڈ ہے۔ یہ جوتے چمکانے کا فراڈ پاکستان کو ہرگز قبول نہیں۔

[ہم نے اس ادارتی تحریر میں محترم حامد میر کے وی لاگ میں اظہار خیال سے استفادہ کیا ہے]

آئینہ ایام: عبدالوہاب تیمور

جنگ میں شکست کو میز پر فتح کرنے کا منصوبہ۔۔بورڈ آف پیس

جنگ کے شکست کے بعد غزہ کی پٹی کے انتظام و انصرام کے لیے نام نہاد ''ٹرسٹی شپ کونسل'' یا ''بورڈ آف پیس'' کی تشکیل کے بارے میں ممکنہ نتائج پر بات ہو رہی ہے۔ اس بارے میں مفکر اور سیاسی محقق ڈاکٹر اسامہ الاشقر نے اس منصوبے کا ایک تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، اس کے سیاسی اور سیکیورٹی خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات پر شک کا اظہار کیا ہے کہ یہ منصوبہ تنازع کا کوئی حقیقی حل فراہم کر سکے گا یا موجودہ بحران کی بنیادی وجوہات کو دور کر پائے گا۔

سیکیورٹی پہلو اور اسلحہ سے پاک کرنے کی ترجیح

الاشقر کا کہنا ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' کا بنیادی اور مرکزی کام مقامی قوتوں کو مذاکرات یا جبر کے ذریعے اسلحہ سے پاک کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان ڈھانچوں کو ختم کرنا ہے جو قابض قوت کے خلاف مزاحمت کا کام کرتے تھے اور ایک ایسا نیا سیکیورٹی ڈھانچہ قائم کرنا ہے جو نام نہاد ''بین الاقوامی استحکام فورس'' (International Stability Force) کی نگرانی میں کام کرے۔

انہوں نے اسے سیکیورٹی کے تصور کی ایک بنیادی نفی قرار دیا، کیوں کہ اس میں آبادی کی حفاظت اور ان کے حقوق کے مقابلے میں قابض قوت کی سیکیورٹی کو ترجیح دی گئی ہے۔

انتظامی کمیٹی اور سیاسی فریم ورک کی عدم موجودگی

الاشقر نے بغیر کسی سیاسی پس منظر یا مینڈیٹ کے ٹیکنوکریٹس کی ایک انتظامی کمیٹی کی تقرری پر تنقید کی۔ ان کا خیال ہے کہ محصور علاقے کے انتظام سے سیاست کو خارج کرنے کا مطلب غیر جانبداری نہیں، بل کہ یہ بحران کو مزید مستحکم کرنے اور اسے دوبارہ جنم دینے کا سبب ہوگا۔ سیاسی وژن کی عدم موجودگی انتظامیہ کو محض روزمرہ کے بحرانوں کو سنبھالنے کے آلے میں بدل دیتی ہے، جس کے پاس مسائل کو جڑ سے ختم کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

مقامی حقائق کے چیلنجز

وہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس کمیٹی کو وسیع پیمانے پر تباہی اور آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے درمیان شدید سماجی اور معاشی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا، جبکہ اس کے پاس تحفظ یا فیصلے سازی کے اختیارات نہیں ہوں گے۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' (جس پر امریکہ کے غالب رہنے کا امکان ہے) کمیٹی کو آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت نہیں دے گی، جو اسے مقامی کمیونٹی کے ساتھ براہ راست تصادم کی راہ پر ڈال دے گا، ایک ایسا تصادم جس میں ناکامی اور قانونی حیثیت کھو دینے کا قوی امکان ہے۔

علاقائی ثالث ممالک کی شمولیت

الاشقر بورڈ آف ڈائریکٹرز میں عرب اور اسلامی ممالک کی شمولیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے ان فریقین کو بے اثر کرنے اور اس منصوبے سے اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے کی ایک کوشش قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ان ممالک کو ان فیصلوں کے نتائج بھگتنے پر مجبور کیا جائے گا جو عملی طور پر غالب قوتوں کے مفادات کی خدمت کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان ممالک کو امریکی پالیسی کی سختی کو کم کرنے کا کردار تو دیا جائے گا، لیکن فیصلہ سازی کے عمل پر اثر انداز ہونے کی کوئی حقیقی طاقت نہیں دی جائے گی۔

محدود مثبت پہلو

اپنے تنقیدی موقف کے باوجود، الاشقر چند جزوی مثبت پہلوؤں کو رد نہیں کرتے۔ ان میں سب سے نمایاں آبادی کو روزمرہ کے سخت انتظامی بوجھ سے ریلیف ملنا اور اس مجوزہ کمیٹی کا مقامی افراد (غزہ کے باشندوں) پر مشتمل ہونا ہے۔ مزید برآں، ایک شہری انتظامیہ کی موجودگی خواہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو، عوامی زندگی کی جزوی واپسی کا اشارہ ہو سکتی ہے۔

''استحکام فورس'' (Stability Force) کے خطرات

وہ خبردار کرتے ہیں کہ کوئی بھی ایسی فورس جس کی بنیاد واضح قانونی اور اقوام متحدہ کی حمایت پر نہ ہو اور جسے سماجی قبولیت حاصل نہ ہو، وہ سیکیورٹی برقرار رکھنے کے بجائے غلبہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتی ہے، جس سے اندرونی تصادم اور بے قابو کشیدگی کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ اسے ٹرمپ نیتن یاہو فورس کہنا زیادہ درست ہوگا۔

جاری جارحیت کے حقیقت کو نظر انداز کرنا

الاشقر فوجی مداخلتوں اور ٹارگٹ کلنگ (Assassination) کی پالیسیوں کو روکنے کے لیے کسی بھی اقدام کی عدم موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تناؤ کی کیفیت برقرار رہے گی اور سیکیورٹی کی وہ اسرائیلی تعریف جس میں فلسطینیوں کے حقوق کو نظر انداز کیا گیا ہے، سیکیورٹی کے بگاڑ کا باعث بنتی رہے گی۔

ماضی کے تجربات کی روشنی میں، الاشقر تعمیرِ نو کے مجوزہ راستے کی تاثیر پر شک ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ تعمیراتی مواد اور طریقہ کار پر اسرائیل کا کنٹرول برقرار رہے گا۔ ان کے خیال میں یہ کسی بھی تعمیراتی منصوبے کو تیزی سے کمزور کرنے کا باعث بنے گا اور اس کی کامیابی کے امکانات پر عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچائے گا۔

خلاصہ یہ کہ، ڈاکٹر اسامہ الاشقر کا ماننا ہے کہ یہ ''بورڈ آف پیس'' تنازع کو حل کرنے کے بجائے اسے صرف ''مینج'' کرنے کا ایک نیا ماڈل ہے، جس میں کسی جامع سیاسی وژن یا خودمختاری کا کوئی واضح افق موجود نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ انتظام عارضی ثابت ہوگا اور اس کے نتائج ناکامی کے قریب ہوں گے، جیسا کہ ماضی کے اسی طرح کے تجربات میں دیکھا گیا ہے۔

منظر نامہ: آصف محمود

بورڈ آف پیس: یو این او کو ناکام بنانے کا راستہ

کیا ''بورڈ آف پیس'' بین الاقوامی قانون کی روشنی میں ایک جائز قدم ہے اور کیا مسلمان ممالک کو اس میں شریک ہونا چاہیے تھا؟

پہلا سوال یہ ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' کے قیام کا فیصلہ کس نے کیا اور کس قانون کے تحت کیا؟ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق کسی دوسرے ملک میں کوئی کارروائی صرف اقوام متحدہ کی اجازت سے ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ سلامتی کونسل کا یہ اختیار ڈونلڈ ٹرمپ کو کیسے منتقل ہوا اور کس قانون کے تحت ہوا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' کا چارٹر کب کہاں اور کس نے بنایا؟ اس چارٹر کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ کیا جنرل اسمبلی میں اس پر کوئی بات ہوئی؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ کتنے ووٹوں سے پاس ہوا؟ حتیٰ کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی ووٹ دے دے تو کیا اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت دنیا کو ایسا حق مل سکتا ہے کہ وہ کسی خطے کے عوام کے بارے میں، ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ کریں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ غزہ کے علاقے میں حکومت اور فیصلہ سازی کا حق ٹرمپ کو کیسے مل گیا اور کس قانون کے تحت مل گیا؟ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 2 کی ذیلی دفعہ 7 میں یہ اصول طے ہو چکا ہے کہ کسی کے داخلی معاملات میں مداخلت کا حق کسی کو نہیں ہوگا۔ تو یہ حق ٹرمپ کو کیسے مل گیا؟ فلسطین میں حق حکومت فلسطینیوں کا ہے یا ٹرمپ کا؟

چوتھا سوال یہ ہے غاصب قوت تو اسرائیل ہے۔ بین الاقوامی قانون کو پامال کر کے نسل کشی کا ارتکاب اس نے کیا ہے۔ امن کو خطرہ اس سے ہے۔ تو ''بورڈ آف پیس'' اگر بننا ہی تھا تو اسے مظلوم غزہ کا نظام اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے تھا یا ظالم اسرائیل کا؟

پانچواں سوال یہ ہے کہ غزہ کی نسل کشی میں شامل اسرائیل اور اس کا سرپرست امریکہ تو اس معاملے میں فریق ہیں۔ جنہوں نے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہو وہ امن منصوبے کی قیادت کیسے سنبھال سکتے ہیں؟

چھٹا سوال یہ ہے کہ غزہ سے غیر مسلح ہونے کا مطالبہ کیوں؟ ایسا مطالبہ اسرائیل سے کیوں نہیں کیا جاتا جس کے جنگی جرائم کے خلاف پوری دنیا میں احتجاج ہو رہا ہے؟

ساتواں سوال یہ ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' کی قانونی حیثیت ایک مسیحا کی ہے یا غاصب کی جو اقوام متحدہ کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کو پامال کرتے ہوئے طاقت کے زور پر غزہ میں حق حکومت حاصل کر رہا ہے؟

آٹھواں سوال یہ ہے کہ حق خود ارادیت فلسطینیوں کا مسلمہ حق ہے۔ امن منصوبے کے ذریعے اس حق کو پامال کر کے ان سے سیاسی امور میں فیصلہ سازی کا حق چھین لینا کیا بذات خود جنگی جرم نہیں ہے؟

نواں سوال یہ ہے کہ ''بورڈ آف پیس'' کے چارٹر میں غزہ کا ذکر تک نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ سمجھا جائے کہ اب یہ ایک بین الاقوامی بورڈ ہے جس کا دائرہ کار صرف غزہ تک محدود نہی ہے۔ اب دنیا بھر کے فیصلے یہی کیا کرے گا اور اقوام متحدہ کا کھیل ختم ہو چکا۔ اب ڈونلڈ ٹرمپ ہی اقوام متحدہ ہیں۔

دسواں سوال یہ ہے کہ اس امن منصوبے کا مقصد فلسطین کی آزادی کی راہ ہموار کرنا ہے یا اسرائیلی قبضے کو دوام دینا ہے؟ اگر فلسطین کی آزادی مقصد ہے تو چارٹر میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟ اگر اسرائیلی قبضے کو دوام دینا ہے تو کیا جنگی جرم نہیں؟

گیارہویں سوال کا تعلق اس بورڈ کی ایگزیکٹو ٹیم سے ہے۔ اس میں مریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو، ٹرمپ کے خصوصی نمائندے سٹیو وٹکوف، برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر اور ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر شامل ہیں۔ یعنی چار میں سے تین امریکی۔ ایک بھی مسلمان اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ ایگزیکٹو ٹیم میں رکھا جاتا۔ یہ ''بورڈ آف پیس'' ہے یا لشکر کشی ہے؟

بارہواں سوال اسی سے متصل ہے کہ مقصد اصلاح احوال ہے یا غزہ مین رئیل اسٹیٹ کے غیر معمولی امکانات پر قبضہ؟ داماد محترم کے بیانات تو بالکل واضح ہیں۔ تو گر مقصد معاشی امکانات پر قبضہ ہے تو کیا لوٹ مار یعنی ''پلیج'' کے زمرے میں نہیں آتا اور کیا یہ جنگی جرم نہیں ہے؟

اب آیئے دوسرے سوال کی جانب کہ کیا پاکستان کو اس بورڈ میں شامل ہونا چاہیے تھا؟ اصول وہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکے۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا فورم نہیں جہاں یہ اصول لاگو ہوسکیں، اقوام متحدہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسرائیل نے جی بھر کر تباہی پھیلائی کوئی اس کا ہاتھ نہ روک سکا۔ خلیج کے اکثر ممالک دولت مند تو ہیں لیکن یہ سٹی سٹیٹ ہیں یعنی شہر جتنے ہیں اور ریاست کہلاتے ہیں۔ جو باقی ہیں ان کی حیثیت ہی نہیں کہ طاقت کا استعمال کر سکیں۔ مغربی دنیا لاتعلق ہے۔ وہ اپنے گرین لینڈ پر تو پریشان ہو جاتی ہے لیکن فلسطینیوں کی نسل کشی پر نہیں ہوتی۔ ابھرتی ہوئی متبادل عالمی طاقتیں بھی یہ جرات نہیں رکھتیں کہ امریکہ کے سامنے کھڑی ہوسکیں۔ روس یوکرین میں الجھا ہے اور چین تو ان معاملات میں ایسے ہی ہے جیسے خواب میں واؤ معدولہ ہوتی ہے۔ ایسے میں مسلم ممالک کیا کریں؟

ان حالات میں مسلمان ممالک کے پاس دو آپشن تھے۔ پہلا یہ کہ لاتعلق ہو جائیں۔ ٹرمپ کو ناراض کر دیں اور اسرائیل کو واک اوور دے دیں۔ ٹرمپ کو اس وقت کسی قانون کسی اخلاقیات کی پرواہ نہیں نہ ہی کوئی اس کا ہاتھ روک سکتا ہے۔ پھر دور بیٹھ کر دیکھتے رہیں کہ ٹرمپ کا بورڈ اسرائیل کے ساتھ مل کر غزہ کے ساتھ مزید کیا کچھ کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی مذمتی بیان جاری کر کے دل کو خوش کر لیں کہ ہم نے فرض ادا کر دیا ہے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ بورڈ میں شامل ہو جائیں۔ وہاں موجود ہوں گے تو فلسطینیوں کے لیے کوئی بات کر سکیں گے۔ ان پر منڈلاتی تباہی اور بربادی کو ٹال سکیں گے۔ ان کے زخموں پر کچھ مرہم رکھ سکیں گے۔ یہ راستہ ظاہر ہے مثالی نہیں ہے، یہ اضطراری حالت میں اختیار کیا راستہ ہے۔ ناگزیر برائی کے طور پر۔ بڑی مصیبت ٹالنے کے لیے۔ [بشکریہ تاشقند اردو]

نقطہ نظر: ڈاکٹر ملیحہ لودھی

پاکستان کو کیوں الگ رہنا چاہیے؟

صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے غزہ امن منصوبے کے تحت ''بین الاقوامی استحکام فورس'' (ISF) میں پاکستانی فوج بھیجنے کی حکمت پر عوامی سطح پر شکوک وشبہات اور سوالات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ کے نزدیک یہ ایک کثیر القومی فورس ہوگی جس کی قیادت ایک امریکی جنرل کرے گا اور یہ ٹرمپ منصوبے کا ایک اہم جزو ہے۔ لیکن اس فورس کے لیے حماس کی منظوری لازمی ہے، کیوں کہ اس کے بغیر اس میں شامل ہونے والے ممالک فلسطینی گروپ کے ساتھ براہِ راست تصادم میں الجھ سکتے ہیں۔

حکومتِ پاکستان نے امریکی انتظامیہ کو بتایا ہے کہ وہ اس فورس میں شمولیت پر غور کر رہی ہے لیکن حتمی فیصلہ ابھی باقی ہے۔ گزشتہ ماہ نائب وزیرِ اعظم اور وزیرِ خارجہ اسحاق ڈار نے اعلان کیا تھا کہ پاکستان اس فورس کے لیے تعاون فراہم کرنے کو ''قطعی طور پر تیار'' ہے، لیکن حماس کو غیر مسلح کرنا ''ہمارا کام نہیں۔'' انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''وزیرِ اعظم نے فیلڈ مارشل سے مشاورت کے بعد پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ ہم حصہ لیں گے''، تاہم حتمی فیصلہ اس وقت ہوگا جب فورس کے مینڈیٹ اور شرائط وضوابط واضح ہو جائیں گے۔

پاکستان گزشتہ کئی ماہ سے امریکہ کے ساتھ رابطے میں ہے تاکہ فورس کی ساخت اور مینڈیٹ پر وضاحت حاصل کی جا سکے۔ امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو نے حالیہ پریس کانفرنس میں اس کی تصدیق کی اور پاکستان کی جانب سے اس پیشکش پر شکریہ ادا کیا۔ تاہم انہوں نے تسلیم کیا کہ فورس کے کمانڈ سٹرکچر اور فنڈنگ جیسے مسائل پر ابھی بات چیت جاری ہے۔

درحقیقت کئی دیگر مسلم ممالک جنہوں نے پہلے اس فورس میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی تھی، اب پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ کسی بھی ملک نے تاحال اپنے فوجیوں کا وعدہ نہیں کیا کیوں کہ سب کو کلیدی معاملات پر وضاحت کا انتظار ہے۔ 16 دسمبر کو دوحہ میں امریکی سینٹرل کمانڈ (CENTCOM) نے ایک کانفرنس کی جس میں پاکستان نے بھی شرکت کی۔ اس کا مقصد ٹرمپ پلان کے اگلے مراحل اور فورس کی تعیناتی پر اتفاقِ رائے پیدا کرنا تھا، لیکن یہ اجلاس کسی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہا۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلم ممالک کے تحفظات برقرار ہیں اور وہ شاید اس وقت تک شامل نہ ہوں جب تک مینڈیٹ میں حماس کو زبردستی غیر مسلح کرنا شامل رہے گا۔

پاکستان کی شمولیت پر غور کرنے کے لیے غزہ کی موجودہ صورتحال اور ٹرمپ پلان کے دوسرے مرحلے کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اگلا مرحلہ ایسی رکاوٹوں کا شکار ہے جس کی وجہ سے یہ تاثر عام ہے کہ عمل رک چکا ہے۔ دی اکانومسٹ (The Economist) نے اس امن منصوبے کو ''غزہ کی افراتفری میں لڑکھڑاتا ہوا'' قرار دیا ہے۔ اسرائیل اور حماس کے درمیان خلیج بہت وسیع ہے، جب کہ امریکہ اور اسرائیل کے درمیان بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان اختلافات کو دور کرنے کے لیے صدر ٹرمپ نے اسرائیلی وزیرِ اعظم نیتن یاہو کو 29 دسمبر کو فلوریڈا میں اپنے گھر ''مارا ے لاگو'' مدعو کیا ہے۔ اس ملاقات کا نتیجہ امن عمل کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔

دوسرے مرحلے میں غزہ کے حکومتی انتظامات، اسرائیلی افواج کا مزید انخلا، حماس کو غیر مسلح کرنا اور ISF کی تعیناتی شامل ہے۔ غزہ کی عبوری گورننس کی نگرانی کے لیے ٹرمپ کی سربراہی میں ''بورڈ آف پیس'' (Board of Peace) کے قیام کا اعلان ابھی ہونا باقی ہے۔ اسی طرح روزمرہ کے معاملات چلانے والی فلسطینی ٹیکنوکریٹک کمیٹی کے ارکان کے نام بھی سامنے نہیں آئے۔ یہ تاخیر عدم اتفاق اور وضاحت کی کمی کی عکاسی کرتی ہے۔ خود غزہ میں ایک کمزور جنگ بندی کی اسرائیل روزانہ خلاف ورزی کرتا ہے، جب کہ مقبوضہ مغربی کنارے میں نئی بستیاں تعمیر کی جا رہی ہیں۔ اکتوبر میں جنگ بندی کے آغاز سے اب تک 400 سے زائد فلسطینی اسرائیلی فضائی حملوں میں شہید ہو چکے ہیں۔ یہ اسرائیل کے اس ریکارڈ کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتا اور ایک ناقابلِ اعتبار ''امن شراکت دار'' ہے۔ مزید برآں اسرائیلی حکام کا کہنا ہے کہ وہ کبھی بھی غزہ سے مکمل انخلا نہیں کریں گے، ایسی صورت میں حماس کبھی غیر مسلح نہیں ہوگی۔

اب تک جو معلومات سامنے آئی ہیں ان سے واضح ہے کہ یہ فورس کیا ہے اور کیا نہیں۔ یہ اقوامِ متحدہ کی ''نیلے ہیلمٹ'' والی روایتی فورس نہیں ہے۔ اس کے پاس یو این کا مبہم مینڈیٹ تو ہے لیکن یو این کی نگرانی نہیں ہوگی۔ یہ ''امن برقرار رکھنے والی'' (Peacekeeping) نہیں بل کہ ''امن نافذ کرنے والی'' (Peace Enforcement) فورس ہوگی، جو اسے آپریشنل طور پر مختلف بناتی ہے۔ اسے مصر کے علاوہ اسرائیلی حکام کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا اور اسرائیل کو ان ممالک کی منظوری دینی ہوگی جو اس فورس کا حصہ بنیں گے۔

گزشتہ ماہ جب اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے ٹرمپ منصوبے کی توثیق کی تو حماس نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بھی بین الاقوامی فورس صرف سرحدوں پر تعینات ہونی چاہیے تاکہ فریقین کو الگ رکھا جائے اور وہ مکمل طور پر یو این کی نگرانی میں ہو۔ حماس کا موقف ہے کہ مزاحمتی گروہوں کو غیر مسلح کرنے کا کام اس فورس کی غیر جانبداری ختم کر کے اسے قابض ریاست (اسرائیل) کا فریق بنا دے گا۔

پاکستان کو اس پس منظر میں فیصلہ کرنا ہے۔ اگر مینڈیٹ میں حماس کی ''پولیسنگ'' شامل ہے تو شمولیت کو مسترد کر دینا چاہیے۔ یہ ہمارے فوجیوں کو حماس سے براہِ راست تصادم میں لا کھڑا کرے گا اور یہ دعویٰ کہ پاکستانی فوجی وہاں فلسطینیوں کے تحفظ کے لیے ہیں، کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ فلسطینیوں کے ساتھ پاکستانی فوجیوں کے تصادم کے نتائج اصولوں کی بنیاد پر اور ملک کے اندر عوامی ردِعمل کی صورت میں انتہائی بھیانک ہوں گے۔

اس تعیناتی کا مطلب اسرائیل کے ساتھ قریبی تعاون ہوگا جو کہ سراسر ناقابلِ اعتبار ہے اور لبنان میں یو این پیس کیپرز پر بھی گولیاں چلاتا ہے۔ کیا ہوگا اگر اسرائیلی افواج پاکستانی دستے پر فائرنگ کر دیں؟ مزید یہ کہ اسرائیل کے ساتھ تعاون اسے بالواسطہ تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا اور ''ابراہم کارڈز'' (Abraham Accords) میں شمولیت کی طرف ایک قدم ہوگا۔ یہ سب کچھ فلسطینی ریاست کے قیام کی جانب کسی پیش رفت کے بغیر ہوگا، جو پاکستان کی دیرینہ پالیسی کے خلاف ہے۔ آخر میں پاکستان کو یہ سوچنا چاہیے کہ ایک غیر واضح امن منصوبے کے تحت اپنے فوجیوں کو ایسی دلدل میں کیوں دھکیلا جائے جہاں ان کی جانوں کو خطرہ ہو۔ پاکستان کے قومی مفادات اس فیصلے میں مقدم ہونے چاہئیں اور یہ فیصلہ مکمل شفافیت کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔

[بشکریہ: ڈان نیوز]

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

آزاد فلسطینی ریاست ہی امن کی ضامن

غزہ کو ساحلی تفریح گاہ کا اڈا بنانے کے لیے صدر امریکہ ڈونلڈ ٹرمپ کی تجویز کا ڈرافٹ ان کے معاون خصوصی اور داماد جیرڈ کشنر اور ویٹکاٹ کی نگرانی میں ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا منصوبہ سامنے آیا ہے۔ صدر ٹرمپ کے کسی بھی منصوبہ کو اس کی حتمی تشکیل تک کچھ بھی کہا جاسکتا ہے۔ تاہم تازہ منصوبے کے ڈرافٹ پر ٹائمز آف اسرائیل نے رپورٹ دی ہے کہ اس منصوبے پر 112 ارب 10 کروڑ ڈالر صرف ہوں گے۔ اس کے اہم کردار ٹونی بلیئر سابق وزیراعظم برطانیہ ہوں گے۔ وہ عمر کے جس حصے میں ہیں، اس کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

اور صدر ٹرمپ تو یوں بھی زلفوں کے اسیر نہیں ہیں۔ ایک خاکے میں، جیسا کہ خاکے خیالی ہوتے ہیں، دکھایا گیا ہے کہ سابق صدور امریکہ کے ساتھ دیگر اعلیٰ حکام بھی ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں موجود ہیں، ٹرمپ کوئی بات کرتے ہیں تو امریکہ کے ہی سابق صدر جوان کے ساتھ بیٹھے دکھائی دیتے ہیں، ٹرمپ کے چہرے پر زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”کتنی بار تمہیں کہا ہے، جھوٹ مت بولو، جھوٹ مت بولو۔“ صدر ٹرمپ حیران ہو کر انہیں دیکھتے ہیں گویا کہہ رہے ہوں، ”مجھ پر میرے اپنے اعتبار نہیں کرتے، دوسرے کیا کریں گے۔“

یہ بات حقیقت میں سچ ہے۔ وہ ایک خطرناک طبعیت کے آدمی ہیں۔ جس طرح ریسلر سے توقع ہوتی ہے کہ وہ سبجی دکھا کر کبھی مارے گا، اسی طرح ان سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ دس سال ان کے لیے طول عرصہ ہے۔ یوں بھی صدارت میں ان کے پاس تین سال بھی نہیں رہ گئے ہیں۔

ایک تصویر اس رپورٹ کے ساتھ دکھا رہی ہے کہ ٹوٹی عمارتوں کے ملبے کے پاس بے گھر فلسطینی کھڑے ہیں۔ یہ نصیرات کیمپ کا علاقہ ہے اور مرکزی غزہ میں واقع ہے جسے اسرائیل بے پناہ بمباری اور یکطرفہ بزدلانہ حملوں کے باوجود، ہزاروں پمفلٹ ہوا سے گرانے کے باوجود کہ ”یہاں سے بھاگ جاؤ، یہ جگہ خالی کردو“، فلسطینیوں لوگوں کو یہاں سے بھگانے میں ناکام رہا ہے۔ اب امریکہ کی جانب سے ٹوٹے، تباہ حال غزہ کی تعمیر نو کا منصوبہ سامنے آرہا ہے۔ کہا جارہا ہے کہ یہ ایک ہائی ٹیک اور سامانِ عیش سے بھرپور خطہ ہوگا جو دبئ کو عیاشی میں بہت پیچھے چھوڑ دے گا۔

ا۔ایف پی نے خبر دی ہے کہ اس کی تعمیر میں وہ ممالک حصہ لیں گے، جو اس کی تخریب میں ملوث رہے ہیں۔ گویا دنیا دیکھے گی کہ تخریب کار اسرائیل کی سربراہی میں اب معمار بنیں گے اور 112 ارب ڈالر کی خطیر رقم آئندہ دس برسوں میں دیں گے۔ یہ عین ممکن ہے کہ صدر ٹرمپ کو ایک ارب چالیس کروڑ ڈالر مالیت کا لگژری جہاد تحفے میں دینے والے یہ کام کریں گے۔ وہ اپنے عیش کے مرکز کے مقابلے میں عیاشی سے بھرپور ساحلی تفریح گاہ بنائیں گے اور اس میں اسرائیل کے رئیل اسٹیٹ کے ساہوکار زمینیں لے کر بلند و بالا خانے، ری زورٹ اور ساحلی عریانی کے مراکز کھولیں گے۔

اس تصور کو ذہن میں لاتے ہوئے یورپ کے بعض ساحلی علاقے منظر عام پر آتے ہیں۔ ان علاقوں میں جانے والے، مرد ہوں یا عورتیں، بوڑھے ہوں یا جوان، بہت دور ایک جگہ اپنے سارے لباس اتارتے ہیں، انڈرویئر سے بھی بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ انہیں داخلے کے لیے ٹکٹ بھی مل جاتے ہیں یا وہ آزاد مادر پدر وہاں داخل ہوجاتے ہیں۔

کیا جیرڈ کشنر اور ویٹکاف کے مطابق مشرق وسطیٰ کا یہ نیا اڈا اسی طرح کی جگہ ہوگا؟ بتایا گیا ہے کہ آئندہ دس سالوں میں صدر ٹرمپ کی نگرانی میں یہ تعمیر ہوگا۔ وہ 112 ارب ڈالر کا اہتمام کریں گے۔ جیرڈ کشنر اور مڈل ایسٹ میں امریکی نمائندے سٹیو ویٹکاف ان کی معاونت کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ 45 دنوں کی محنت سے ان کی نگرانی میں مختلف ٹیموں نے کام کیا ہے۔ غالباً ان ٹیموں میں محمد بن سلمان ولی عہد سعودی عرب، محمد بن زید امیر امارات، جاسم الثانی امیر کویت اور امریکی سرمایہ کار انسٹا گرام کے مالک ایلون مسک کی چار الگ الگ ٹیمیں مصروف رہی ہوں گی۔

ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس پروگرام کے لیے، ٹائمز آف اسرائیل کے سٹاف سپورٹر کے مطابق امریکہ بھی 60 ارب ڈالر دے گا۔ پھر جیسے جیسے غزہ پراجیکٹ آگے بڑھے گا تو خود اپنے لیے وسائل پیدا کرے گا۔ یہ وسائل وہاں سے پیدا کیے جائیں گے جہاں آج کے فلسطینی ننھے منھے بچے کے لیے فارمولا دودھ میسر نہیں ہے۔ یہاں کے نفسیات کے ماہر اپنے 140 کلو وزن میں سے 100 کلو وزن سے بھوکے رہ جانے کی وجہ سے 40 کلو وزن کو پہنچے۔ پورے مشرق وسطیٰ میں نفسیات پر خطاب کے لیے بلائے جانے والے یہ ماہر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ شاید ان کا 100 کلو کم ہوجانے والا وزن آئندہ کے غزہ اور جیرڈ کشنر کے لیے وسائل پیدا کرنے میں مدد دے گا۔

اس منصوبے کے لیے پاور پوائنٹ سافٹ ویئر میں 32 صفحات پر طویل ایک ڈرافٹ تیار

کیا گیا ہے جس کو Sensitive But Unclasified کا عنوان دیا گیا ہے۔ ملبہ صاف کرنے کے لیے چار صفحات پر مشتمل ایک وژن دیا گیا ہے۔ اس میں غزہ کے غریبوں کو مشرق وسطیٰ کے امیروں کے برابر دکھانے کا پروگرام بھی شامل ہے۔ منصوبے کے مطابق ترکی اور مصر کا بہت بنیادی کردار ہوگا۔

اس سال کے آغاز سب کو یاد ہوگا کہ امریکی صدر ٹرمپ نے اپنے داماد اور معاون خصوصی جیریڈ کشنر کے کہنے پر ایک منصوبے کا اعلان کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ حماس کو غیر مسلح کرتے ہوئے یہ ساحلی تفریح گاہ (The Riviera) تعمیر کی جائے گی۔ یہاں سے فلسطینی عوام کو مستقل ہجرت پر مجبور کر دیا جائے گا۔ بہت سے ممالک نے اس تجویز کو دیوانے کا خواب جب کہ اسرائیل نے بہت خوب قرار دیا تھا۔ شرط یہ تھی کہ یہاں سے ہر فلسطینی کو نکال باہر کیا جائے۔ ایک بھی فلسطینی جوڑا یہاں نہیں ہونا چاہیے ورنہ دس سال یہ تفریح گاہ بنتے بنتے حماس کا ایک جنگجو بھی پیدا ہو جائے گا جس سے نہ صرف یہ تفریح گاہ خطرے میں پڑ جائے گی بل کہ اس سے بڑھ کر اسرائیل کے قابض وجود کو قابض اور نو آباد یا کہنے والا ابھی دس سال کا ہو جائے گا۔ تب صدر ٹرمپ خواب اور جیریڈ کشنر خیال ہو جائیں گے۔

اب کہا جا رہا ہے کہ 20 سالہ روڈ میپ چار سطحوں پر مکمل کیا جائے گا۔ جنوب میں رفاہ سے اس کا آغاز ہوگا، خان یونس تک اس کا رقبہ ہوگا۔ پھر اس کا ''سنٹرل کیمپ'' تعمیر کیا جائے گا، غزہ سٹی پر اس کا اختتام ہوگا۔

اس منصوبے کے پہلے مرحلے میں ملبہ صاف کیا جائے گا، وہ بم یہاں سے ہٹائے جائیں جو اسرائیل نے گرائے لیکن پھٹ نہ سکے، پھر حماس کی سرنگیں ختم کی جائیں گی۔ غزہ کے شہریوں کو پھر بھی عارضی پناہ گاہوں میں رہنا ہوگا کیوں کہ سرنگیں ختم کرنے کے بعد ہی ان کے لیے گھر تعمیر ہو سکیں گے۔ پناہ گاہوں کے ساتھ میڈیکل سنٹرز تعمیر کیے جائیں گے۔ اس بات کی 32 صفحات کے منصوبے میں ذکر نہیں ہے کہ اس دوران میں غزہ کے لوگ کہاں رہیں گے، وہ کہاں کیا کاروبار کریں گے، ان کے بچے پڑھیں گے تو کہاں تعلیمی ادارے بنائے جائیں گے؟

جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو اس دوران میں اسرائیل کو حملے کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ ویسے بھی کسی بھی اجازت کے بناء حملے کرتا ہے۔ وہ جہاں فلسطینی ہوں گے، وہاں حملے کرنے میں اسے آزادی ہوگی۔ پناہ گاہیں ٹوٹتی رہیں گی اور عارضی سہولتیں ختم ہوتی رہیں گی۔

جب ضرورت کام مکمل ہو جائے گا تو مہنگے ترین پینٹ ہاؤسز بنائے جائیں گے۔ وہ Glitzy Reviera کے ساتھ ساتھ بنائیں جائیں گے۔ لوگ ساحلی عیاشی کے بعد آرام کی غرض سے ان پینٹ ہاؤسز میں آجائیں گے۔

ایک اور پاور پوائنٹ سلائیڈ میں دکھایا گیا ہے کہ New Riphah تعمیر کیا جائے گا۔ یہ ایک طرح سے غزہ کا بیورو کریسی کا مرکز ہوگا۔ یہاں سے غزہ کی گورننگ کی جائے گی۔ اس کے افسران اور اہلکاران گھروں میں رہیں گے جن کی تعداد 100,000 یعنی ایک لاکھ ہوگی۔ اسی میں 200 یا اس سے زیادہ سکول ہوں گے۔ ان میں 75 سے زیادہ میڈیکل سہولتیں ہوں گی۔ اور ہاں یہاں پر 180 مساجد ہوں گی۔ باقی پورے غزہ میں کوئی مسجد نہیں ہوگی۔ ان کے علاوہ ضرورت کے مطابق کلچرل سنٹر ہوں گے۔

ایک اور سلائیڈ میں بتایا گیا ہے کہ غزہ ایک ''سمارٹ سٹی'' ہوگا۔ اس میں ٹیکنالوجی کا راج ہوگا اور ٹیکنالوجی ہی سہولتیں فراہم کرے گی۔

10 سال بعد غزہ کی ساحلی پٹی 70 فیصد تک اس قابل ہو جائے گی کہ دولت پیدا کرنے لگے۔ اس منصوبے کے مطابق یہاں سے 55 ارب ڈالر سالانہ کی آمدن ہونے لگے گی۔

منصوبے میں ''بولڈ اور ریڈ'' سرخیوں میں بتایا گیا کہ حماس غیر فوجی اور غیر مسلح ہو جائے گی۔ وہ اپنے تمام ہتھیار اور سرنگیں ختم کر دے گی۔ حماس نے یہ کام کرنے سے ابھی تک انکار کر دیا ہے۔ اس کے راہ نما کہتے ہیں کہ جب تک اسرائیل کا ایک فوجی بھی وہاں رہے گا، وہ نہ تو کوئی ہتھیار، ہلکا یا پھلکا، واپس کرے گی۔ اگر فوج بنی یا پولیس بنی تو وہ اپنے ہتھیاروں سمیت اس کا حصہ بن جائے گی۔ جہاں تک سرنگوں کا معاملہ ہے، حماس نے اس بارے میں خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اس کی طرف سے مزاحمت کے امکانات رد نہیں کیے جا سکتے۔ اس کے لیے کسی طرح کے بھی مذاکرات ابھی تک نہیں ہوئے ہیں۔

اس منصوبے کے بارے میں ملی جلی آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ امریکی حکام میں بھی ایسے عناصر موجود ہیں جو اس کی کامیابی کے بارے میں پرامید نہیں ہیں۔ بہت سے حکام اس بارے میں شک کا اظہار کر رہے ہیں کہ حماس کبھی بھی ہتھیار ڈالے گی۔ اگر اس منصوبے کے لیے فنڈز ڈالنے والی اقوام کچھ بھی کر لیں، وہ حماس سے ہتھیار بہر حال نہیں لے سکیں گی۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ بہت مفصل منصوبہ ہے، اس پر کام ہو سکتا ہے۔ غزہ کے لوگ یہیں رہیں گے۔ یہی ان کا ممکنہ مستقبل ہے۔

وائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ اس پر پوری محنت کرے گی۔ اس کے شراکت داروں سے بھرپور تعاون تعاون کرے گی تا کہ پائیدار امن قائم کیا جا سکے۔ اس طرح وہ سارا گراؤنڈ ورک مکمل کر لیا جائے گا جو غزہ کو پر امن بنانے کے لیے ضروری ہے۔

یہ رپورٹ تیار کر لی گئی ہے۔ ویٹکاف اس رپورٹ کے ساتھ میامی میں اعلیٰ قطری، مصری اور ترکش حکام سے تبادلہ خیال کریں گے تا کہ غزہ میں جنگ بندی کے دوسرے مرحلے پر کام ہو سکے جب کہ اسرائیل کی شرکت اور حملوں سے رک جانے کے مضبوط عہد کے بغیر دوسرا مرحلہ خیال کی حد تک ہی شروع ہو سکے گا۔

امریکہ، قطر، مصر اور ترکی کا خیال ہے کہ اسرائیل اور حماس اسی کوشش میں ہیں کہ دوسرے مرحلے پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ یہ ممالک چاہتے ہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو، دوسرا مرحلہ شروع ہو۔ جب تک اسرائیل کے حملے نہیں رکتے، حماس کو غیر مسلح کرنے پر مذاکرات بھی ممکن نہیں ہیں، اسرائیل کو غزہ سے ییلو لائن سمیت واپس جانا ہوگا۔ مکمل فلسطینی ریاست مقبوضہ بیت المقدس کو دارالخلافہ بنانا ہوگا۔

اب یہ کہا جا رہا ہے کہ اسرائیل دوسرے مرحلے کے آغاز کے لیے غزہ سے تمام تر پوزیشنوں سے واپس چلا جائے گا۔ حماس کے سوا کوئی اور عبوری اتھارٹی غزہ کا انتظام سنبھالے گی۔ ایک بین الاقوامی استحکام فورس حماس کی جگہ کا کام کرے گی۔

دوسرے مرحلے کے آغاز کے لیے ہونے والی پیش رفت بہت سست رفتار ہے۔ جنگ بندی مکمل نہیں ہے۔ حملے جاری ہیں۔ اسرائیل نے حماس کے اعلیٰ کمانڈر رسعد کو غزہ میں شہید کر دیا ہے۔ ٹرمپ نے بھی اسے جنگ بندی ناکام بنانے کا اسرائیلی اقدام قرار دیا ہے۔

فی الحال حماس تمام یرغمالیوں کو رہا کر چکا ہے۔ ٹرمپ انتظامیہ اس کوشش میں ہے کہ دوسرا مرحلہ جلد شروع ہو۔ وہ حماس کو جلد غیر مسلح دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر یہ دوسرا مرحلہ مکمل ہو تو تب ہی تیسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ جو تعمیر نو کا مرحلہ کہا جا رہا ہے۔ اس کے بناء کچھ بھی پیش رفت نہیں ہو سکتی۔

باریک بینی: زینب الیاس

غزہ کو غیر مسلح کرنے کا ٹاسک

بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟
مسئلہ غورت کون حل کرے گا؟
ان دونوں مصرعوں یا لائنوں کا مفہوم ایک ہی ہے: حماس کو غیر مسلح کون کرے گا؟
اسرائیل، امریکہ، برطانیہ، فرانس، ترکی، لبنان، شام یا پاکستان؟
ان سب میں سے یہ کام کوئی نہیں کرے گا اور نہ کرسکتا ہے۔

اسرائیل نے دو سال جنگ کر کے دیکھ لی، امریکہ نے ہر ہتھیار کی آزمودہ کاری چیک کرالی، برطانیہ نے ورچول فلسطین کا نعرہ قبول کرلیا پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ فرانس نے ڈیوس میں امریکہ کے خلاف علمِ بغاوت کر کے دیکھ لیا۔ مسلم ممالک نے اپنی بزدلی آزمالی۔ حماس جہاں کھڑا تھا۔ اب بھی وہیں ہے کہ آؤ! میں غیر مسلح ہونے کے لیے تیار ہوں۔ میں ہر ایک فلسطینی کی جان بچانے کو مسلح رہنے پر ترجیح دوں گا۔

واشنگٹن میں ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لیے بریفنگ کا اہتمام کیا گیا۔ امریکی حکام اس توقع کا اظہار کررہے تھے کہ غزہ میں استحکام آجائے گا۔ اس طرح ڈونلڈ ٹرمپ کے امن منصوبے کے اگلے مرحلے کا آغاز ہونے میں حائل رکاوٹ یعنی حماس کو غیر مسلح کردیا جائے گا۔ ان کی ان امیدوں میں اسرائیل رکاوٹ ہے جو پہلے مرحلے یعنی جنگ بندی کا اعتبار قائم ہونے نہیں دے رہا اور روزانہ اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ امریکی حکام بریف کررہے تھے۔

”ایک طویل عرصے کے بعد ایسا موقع آیا ہے کہ غزہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ کوئی فلسطینی اتھارٹی موجود نہیں، حماس کی حکمرانی بھی نہیں ہے۔ اس حقیقت نے وہاں یہ استعداد پیدا کردی ہے کہ اب واشنگٹن وہاں صدر ٹرمپ کے امن منصوبے کے دوسرے مرحلے پر عمل کرایا جاسکتا ہے۔“

اس اعلان سے گھنٹوں پہلے مصر نے اعلان کیا تھا کہ غزہ میں عبوری دور کے لیے ٹیکنوکریٹس پر مشتمل کمیٹی روزانہ کے امور مملکت چلانے کے لیے حماس کی جگہ لے سکتی ہے۔ یہ ان بہت سے انتظامات میں سے ایک قدم ہے جس سے امریکہ اپنے منصوبے کا دوسرا یا اگلا مرحلہ شروع کرسکتا ہے۔

پہلے مرحلہ کا آغاز 9 اکتوبر کو ہوا تھا۔ اس کے بعد اسرائیل کے شدید حملوں میں پہلے سی تیزی نہیں رہی تھی۔ اسرائیلی فوج مجوزہ ییلو لائن سے پیچھے چلی گئی تھی۔ پھر بھی غزہ کا 53 فیصد اس کے قبضہ میں تھا۔ اسرائیل کے 20 یرغمالی حماس نے رہا کردیے تھے۔ اسرائیل نے تقریباً 2000 فلسطینی رہا کردیے تھے۔ اسرائیل کے یرغمالیوں میں سے 28 میں سے 27 کی ڈیڈ باڈیز اس کے حوالے کردی گئی تھیں۔ غزہ میں کسی حد تک خوراک کو محدود داخلے کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ لیکن انسانی مشکلات بحران بنی غزہ کے سامنے موجود تھیں۔

صدر ٹرمپ نے اکتوبر میں جنگ بندی کے چند دنوں بعد اعلان کیا تھا کہ معاہدے کے تحت دوسرا مرحلہ شروع ہونے کو ہے۔ امریکہ اس کوشش میں رہا کہ وہ اس صدارتی اعلان کو حقیقت میں تبدیل کرا سکے۔ لیکن ہر دو اطراف (بقول امریکی حکام) ایسا نہیں ہو سکا۔ اسرائیل مسلسل حملے کرتا رہا اور کر رہا ہے۔ اس دوران میں صرف یہی سوال گردش میں رکھا گیا کہ حماس کب غیر مسلح ہو گی؟ لیکن اس سوال پر کم ہی یا بالکل توجہ نہیں دی گئی کہ اسرائیلی افواج کب غزہ سے واپس جائیں گی جس کا وعدہ پہلے مرحلے کے مذاکرات میں کیا گیا تھا۔ ان امور سے بالکل لاتعلقی کا رویہ روا رکھا گیا جس کا اعلان امریکی نمائندے سٹیو وینکاف نے ''دوسرے مرحلے کے اعلان'' کے ساتھ کیا تھا۔ اس مرحلے کا مقصد یہ تھا کہ ''جنگ بندی سے غزہ کو غیر فوجی علاقہ'' قرار دیا جائے گا، ٹیکنو کریٹ انتظامیہ کام شروع کر دے گی اور تعمیر نو کا کام بھی شروع کر دیا جائے گا۔

واشنگٹن میں دی گئی بریفنگ کے بھی گھنٹوں بعد رپورٹرز کے سامنے امریکی حکام اعتراف کر رہے تھے کہ بیت المقدس میں اسرائیلی حکومت اب بھی اس بارے میں گہرے شکوک ظاہر کر رہے ہیں کہ حماس غیر مسلح ہو جائے گی۔ امریکی حکام کہہ رہے تھے کہ:

''ہماری حماس کے راہنماؤں سے بات ہوئی ہے اور ہمیں پوری عرب دنیا بتا رہی ہے کہ لوگ اب مزید جنگ نہیں چاہتے۔ وہ امن چاہتے ہیں۔ وہ اچھا معاشی مستقبل چاہتے ہیں۔ وہ اپنے خاندانوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ وہ اپنے گھروں کو پھر بنانا چاہتے ہیں۔ جس طرح دنیا کا ہر فرد چاہتا ہے، وہ بھی امن چاہتے ہیں۔''

امریکی حکام نے کہا کہ وہ اس درجے کے خیالات کو حقیقت بنانا چاہتے ہیں۔ اسی سے دوسرے مرحلے کی کامیابی مشروط ہے۔ بورڈ آف پیس اب بن جانا چاہیے۔ یہی بورڈ انٹرنیشنل سٹیبلائزیشن فورس (ISF) کے امور کی نگرانی کرے گا۔ وہ اسرائیلی فوج کے جانے کے بعد غزہ میں انتظام سنبھالے گا۔ اس معاملے سے آگاہ حکام کا کہنا ہے کہ ٹائمز آف اسرائیل کی خبر کے مطابق امریکی حکام کئی ہفتوں سے اس کوشش میں ہیں کہ مجوزہ بورڈ بن سکے۔ اس میں اتحادیوں کو شامل کیا جا سکے۔ امریکہ کا دعویٰ رہا ہے کہ صدر ٹرمپ کے مجوزہ منصوبے پر عمل درآمد کے لیے انہیں کافی یقین دہانیاں مختلف ملکوں نے کرائی ہیں۔ لیکن کسی نے بھی عملی اقدام میں حصہ نہیں لیا۔ غالباً کوئی ملک بھی اب تک اسرائیل اور امریکہ کی سربراہی میں ایسی کسی فورس کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن امریکی حکام اس کا اعتراف نہیں کر رہے ہیں۔ اسرائیلی ایئر فورس زیتونہ میں مسلسل عمارتوں کو نشانہ بنا رہی ہے جس سے ہلاکتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

امریکہ کا دعویٰ ہے کہ 9 اکتوبر کے بعد غزہ میں 53120 ٹرک خوراک کے ٹرک داخل ہوئے ہیں۔ گویا تقریباً 100 دنوں میں 530 ٹرک روزانہ داخل ہوئے ہیں جبکہ ضرورت کے مطابق 6000 ٹرک روزانہ داخل ہوتے رہے ہیں۔ یہ تعداد 1770 ٹرک روزانہ بنتی ہے۔ اسرائیل اور اقوام متحدہ کے مابین تعاون کی یہ مثال ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دن کے 6 ہزار کے مقابلہ 1710 ٹرک تقریباً ایک چوتھائی امداد داخل ہونے دی جا رہی ہے۔ اس میں سے کتنی امداد راستے میں اسرائیل کے گینگز کے پاس جا رہی ہے، وہ ایک الگ داستان ہے۔ اس طرح اسرائیل کو یہ کہنے کا موقع دیا جا رہا ہے کہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ امداد غزہ میں داخل ہونے دی جا رہی ہے۔ جس بات کو چھپایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ پوری امداد داخل ہونے نہیں دی جا رہی ہے۔

بارش کی شدت اور طوفانِ بادوباراں میں ایک ٹرک شیلٹر بھی داخل ہونے نہیں دی جا رہی ہے۔ تنظیمیں اسرائیل کے اس سلوک پر تشویش اور افسوس کا اظہار کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جن سٹیل پولز پر شیلٹرز باندھے جاتے ہیں تا کہ ایک خیمہ بن سکے، وہ ایک بھی داخل ہونے دیا نہیں جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کی ٹیموں نے باقاعدہ فلم بندی کی ہے کہ ٹینٹ ٹھہر ہی نہیں رہے ہیں۔ جوں ہی ہوا یا بارش کے تیز جھونکے چلتے ہیں، خیمے گر جاتے یا ہوا کے ساتھ اڑ جاتے ہیں۔ خیموں کے اندر کھڑا چار سے چھ فٹ پانی میں بیٹھا جا سکتا ہے نہ لیٹا جا سکتا ہے۔ بچوں کو لے کر رات بھر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اسرائیل کے حکام کہتے ہیں کہ اس میٹریل سے حماس اسلحہ تیار کر سکتی ہے۔ اس سے زیادہ معاملے کی مضحکہ خیزی اور کیا ہو سکتی ہے۔

امریکی حکام کہہ رہے ہیں کہ انہیں درجنوں کے حساب سے سرنگیں توڑنے میں کامیابی ملی ہے۔ اب تک 50 کلومیٹر کے قریب سرنگیں توڑنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو غزہ سے حماس کو غیر مسلح کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ کئی ٹن ملبہ ہٹایا جا چکا ہے تا کہ وہاں فلسطینی اپنے عارضی گھر بنا سکیں۔ اس طرح کا پہلا پراجیکٹ غزہ سٹی اور رفاہ میں مکمل کیا جا رہا ہے۔ یہ ٹائمز آف اسرائیل کی خبر ہے جس کی کسی آزاد ذریعے نے تصدیق یا تردید نہیں کی۔

اسرائیل نے صدر ٹرمپ کے منصوبے سے کافی حد تک واپسی روکنے پر کام شروع کر رکھا ہے۔ اس کی افواج مسلسل ایک منصوبے کے تحت آگے بڑھ رہی ہے۔ حماس نے ماسٹر سارجنٹ وان گویلی کی ڈیڈ باڈی اسرائیلی فوج کے حوالے کر دی ہے۔ اس طرح تمام ڈیڈ باڈیز اسرائیل کے حوالے کی جا چکی ہیں۔ جب کہ امریکہ کے دورے پر گئے اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کو بتایا گیا کہ سارجنٹ کی ڈیڈ باڈی حماس نے ابھی تک اسرائیل کے

حوالے نہیں کی ہے۔ نیتن یاہو نے اس پر کہا کہ وہ یہ ڈیڈ باڈی ملنے تک معاملات آگے نہیں بڑھائیں گے۔ اس طرح دوسرے مرحلے پر عمل درآمد نہیں کریں گے۔

اسرائیل نے ایک امیج جاری کیا ہے جس میں دکھایا گیا ہے اور اسے سارا نیتن یاہو کے ذریعہ سے دکھایا گیا ہے۔ اس میں سارا درمیان میں کھڑی ہیں، ان کے ساتھ نیتن یاہو، دائیں طرف سے دوسرے نمبر پر صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور بائیں طرف سے دوسرے نمبر پر وان گویلی کے اہل خانہ کو دکھایا گیا ہے۔ یہ 29 دسمبر 2025ء کی تصویر ہے ایک امریکی افسر نے کہا ہے کہ:

"اس مشن کو وان گویلی کی ڈیڈ باڈی ملنے تک ہم مشن کو مکمل نہیں سمجھیں گے۔ یہ کہنے کے ساتھ ہم واضح کرتے ہیں کہ اس کے بغیر دوسرا مرحلہ شروع نہیں کیا جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی اس افسر نے کہا کہ ہم ٹیکنو کریٹس کی کمیٹی کی تشکیل کے انتظار میں ہیں۔

اگر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس امر کے روشن امکانات ہیں کہ حماس خود کو غیر مسلح کر دے گی، امریکی حکام کا کہنا ہے کہ اس معاملے پر بات چیت جاری ہے جس میں حماس کے راہنماؤں سے یہ بات چیت ابتدائی مراحل میں ہے۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ:

"حماس (دہشت گرد تنظیم) کے ساتھ مذاکرات ہماری ہیں تا کہ اگلا مرحلہ شروع کیا جا سکے۔ اس میں غزہ کو غیر فوجی علاقہ قرار دینا ہے۔ ہم اسرائیل سے بھی اس ضمن میں رابطہ کاری کر رہے ہیں کہ حماس کو اس دوران میں کس طرح کی معافی اور رعایتیں دی جا سکتی ہیں۔"

امریکی حکام نے دونوں اطراف اعتماد کے سوال پر جواب میں کہا کہ:

"ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں دونوں اطراف شبہات اور عدم اعتماد کی گہری فضا موجود ہے۔ یہ آج کا نہیں، گزشتہ کئی عشروں سے چلا آ رہا معاملہ ہے۔۔۔ لیکن یقین رکھیں کہ اچھے امکانات پر حال موجود ہیں۔ امید ہے کہ جو معاہدہ طے پائے گا، اس پر دونوں فریق عمل کریں گے۔"

امریکی حکام یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حماس کے حکام جن خیالات کا اظہار کر رہے ہیں، ان سے غزہ کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا جا سکے گا۔ چناں چہ ہم پورا زور لگا رہے ہیں کہ یہ معاملہ کسی طرح سے طے ہو جائے۔ جب امریکی حکام سے دریافت کیا گیا کہ یہ غیر فوجی علاقہ کس نوعیت کا ہو گا تو امریکہ کے سینئر افسر نے کہا کہ غزہ میں دہشت گردی کے تمام مراکز ختم ہو جائیں گے۔ ہیوی نوعیت کا اسلحہ جیسے آر پی او، راکٹ لانچرز اور میزائیل ختم کر دیے جائیں گے۔ انہیں اس طرح سے ڈمپ کیا جائے گا کہ ان کا استعمال ممکن نہ رہے۔

انہوں نے نسبتاً ہلکے ہتھیاروں کا ذکر نہیں کیا جن پر اسرائیل زور دے رہا ہے کہ ان کو بھی حماس کو غیر مسلح کرنے کے لیے تلف کیا جائے۔ ان میں اے کے 47 گنیں بھی شامل ہیں۔

امریکی حکام نے کہا کہ غزہ میں پولیس کے زیر استعمال اسلحہ کی بہر حال ضرورت ہے تا کہ آبادی پر کنٹرول رکھا جا سکے۔ لوگوں کو یہ یقینی بنانا ہو گا کہ اس جگہ کو جرائم سے پاک رکھا جائے، جہاں لوگ آزادانہ اور محفوظ طریقے سے رہ سکیں۔

امریکہ مصر، قطر اور ترکی جیسے ثالثوں سے بھی بات چیت کر رہا ہے۔ انہوں نے واشنگٹن کو یقین دلایا ہے کہ حماس آہستہ آہستہ غیر مسلح ہونے پر آمادہ ہو جائے گی۔ اس کا آغاز حماس (دہشت گرد) کے بھاری اسلحہ کو چھوڑنے پر رضامند ہو جائے گی۔ وہ ہلکے ہتھیاروں کے لینے کے پروگرام پر عمل درآمد کے لیے تیار ہو جائے گی۔

ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ اسرائیل اس پروگرام پر رضامند ہو گا یا نہیں۔ حماس کے راہنماؤں نے سرکاری طور پر کہا ہے کہ وہ اپنا اسلحہ صرف اس صورت میں واپس کرنے پر غور کریں گے جب اسرائیلی فلسطینی ریاست کے پروگرام پر عملی طور پر تیار ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ ایک بے کار اور لا حاصل مشق کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

حماس سے اسلحہ واپس لینے کے پروگرام کو مکمل ہونے میں وقت لگے گا۔ ٹرمپ انتظامیہ کی کوشش ہے کہ اس دورانیے میں بورڈ آف پیس پر کام مکمل کر لیا جائے۔ بریفنگ میں امریکی حکام نے بتایا کہ پینل پر موجود فریقوں کو دعوت نامے ارسال در دیے گئے ہیں، تاہم انہوں نے یہ بتانے سے انکار کر دیا کہ مجوزہ دعوت نامے کن ممالک کو ارسال کیے گئے ہیں۔ ممکنہ طور پر مصر، قطر، امارات، برطانیہ، اٹلی اور جرمنی کو یہ دعوت نامے ارسال کیے گئے ہیں۔ امریکہ اس تعداد کو دوگنی کرنے پر بھی کام کر رہا ہے۔ لیکن اسے اس میں بہت کم کامیابی ملی ہے۔ ایک سینئر عرب سفارت کار کا کہنا ہے کہ امریکہ بورڈ میں مزید ممالک کو لانا چاہتا ہے جن میں عالمی بنک، عالمی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ اکنامک فورم کے سربراہان شامل ہوں گے۔ بریفنگ میں امریکی حکام نے جو کچھ کہا، صحافیوں کو اس پر زیادہ یقین نہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک یا ارکان کا انتخاب ٹرمپ خود کر رہے ہیں کہ وہ بورڈ کے پینل پر انہیں اپنا ساتھ فراہم کریں۔ ٹرمپ خود بورڈ کے پینل کے صدر ہوں۔

اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جتنی ہو سکے فلسطینی ٹیکنو کریٹ کمیٹی بن جائے۔ اس کی فہرست جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ بورڈ میں امریکہ کا کردار یہ ہو گا کہ وہ ارکان کی جس حد تک ممکن مدد کر سکے، کرے تا کہ اس عمل کو کامیاب بنایا جا سکے۔

بورڈ آف پیس کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی بھی ہو گی جس کی سربراہی ممکنہ طور پر نکولائی میلا دینوف کریں گے۔ وہ بورڈ آف پیس کے اعلیٰ رکن ہوں گے۔ ان کے ساتھ برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر بھی ہوں گے۔ دیگر میں ٹرمپ کے معاون خصوصی جیریڈ کشنر اور سٹیو وٹیکاف ہوں گے۔ ایگزیکٹو کمیٹی ٹیکنو کریٹ کمیٹی کے ساتھ کام کرے گی۔

(رپورٹ: ٹائمز آف اسرائیل)

میڈیا واچ: مارٹن اسر

بی بی سی کی اسرائیل نواز تربیت کوئی نئی بات نہیں

یہ تحریر بی بی سی کے ایک سابق صحافی مارٹن اسر کی جانب سے ادارے کے تربیتی مواد پر کڑی تنقید ہے، جس میں وہ اسرائیل اور فلسطین کے تنازع کے حوالے سے پیش کیے گئے حقائق کو جانبدارانہ قرار دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو گہری ادارہ جاتی یادداشت رکھتے ہیں، ان کے لیے دسمبر میں بی بی سی کے عملے کے لیے لازمی ''اینٹی سیمیٹزم'' تربیت کا اعلان 20 سال پرانے وقت کی یاد تازہ کرتا ہے۔

اس وقت بھی ایک اور متنازع تعلیمی سرگرمی عمل میں آئی تھی جو اسرائیل نواز انتھک دباؤ کے پس منظر میں کی گئی تھی، جس کا انکشاف میں، بی بی سی کے ایک سابق صحافی کے طور پر، اس مضمون میں پہلی بار کر رہا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اینٹی سیمیٹزم ایک گھٹیا اور ناقابلِ قبول نفرت ہے، لیکن کوئی بھی یہ سوچے گا کہ 2026ء میں بی بی سی کی ثقافت کے لیے یہ شاید سب سے بڑا خطرہ نہیں ہے۔

بشرطیکہ اس تربیت کے پیچھے دیگر محرکات نہ ہوں بی جیسے کہ ''تعلیمی'' مقاصد جن کا مقصد شاید اسرائیل کے تنقیدی بیانیے سے لفظ ''صہیونیت'' (Zionism) کو نکالنا ہو؟

حالیہ کورس کے ایک لیک ہونے والے متن میں کہا گیا ہے کہ ''بہت سے یہودی خود کو صہیونی سمجھتے ہیں،'' جبکہ ''سامیت دشمن'' (Anti-Semites) اکثر یہ لفظ یہودیوں کے حوالے سے استعمال کرتے ہیں۔

چناں چہ اس میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ اگر وہ لوگ جو ''یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ''صہیونیت مخالف ہیں، سامیت دشمن نہیں'' اور ان کا ارادہ یہودیوں کی دل آزاری کرنا نہیں ہے تو انہیں ''اسرائیلی حکومت'' پر تنقید کرنی چاہیے، نہ کہ ''صہیونیوں'' پر۔

یہ مکمل کورس، جو دو واضح طور پر اسرائیل نواز تنظیموں، کمیونٹی سیکیورٹی ٹرسٹ اور اینٹی سیمیٹزم پالیسی ٹرسٹ، کے اشتراک سے تیار کیا گیا ہے، ابھی تک شائع نہیں کیا گیا، اس لیے ہمیں معلوم نہیں کہ آیا لفظ ''صہیونی'' (Zionist) اور ''صہیونیت'' (Zionism) بذاتِ خود ممنوع قرار دے دیے گئے ہیں۔

لیکن کیا اس پابندی کی ضرورت ہے جب مخصوص سیاق و سباق میں 'Z' سے شروع ہونے والے ان الفاظ کو واضح طور پر سامیت دشمنی قرار دے دیا گیا ہو؟ جیسا کہ جارج آرویل نے ہمیں سکھایا تھا کہ اگر آپ کسی سیاسی نظریے کو نام ہی نہ دے سکیں، تو اس پر تنقید کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بی بی سی میں صہیونیت پر تنقید کے حوالے سے ثقافتی رکاوٹیں طویل عرصے سے موجود تھیں، لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ یہ باضابطہ پالیسی بن چکی ہے کیوں کہ کمیونٹی سیکیورٹی ٹرسٹ اور اینٹی سیمیٹزم پالیسی ٹرسٹ نے ادارتی باگ ڈور سنبھال لی ہے۔

ماضی کی یادیں: 2000 کی دہائی کا وسط نامہ

بی بی سی کے سبکدوش ہونے والے ڈائریکٹر جنرل ٹم ڈیوفورڈ (جنہیں ایک لیک ہونے والی اندرونی میمو کے بعد برطرف کیا گیا، جس میں دیگر الزامات کے ساتھ بی بی سی میں اسرائیل مخالف تعصب کا دعویٰ کیا گیا تھا) کا یہ اعلان اس دور کی بازگشت ہے جب میں 2000ء کی دہائی میں ''بی بی سی نیوز آن لائن مڈل ایسٹ ڈیسک'' پر بطور رائٹر کام کر رہا تھا۔

ہمیں ان صیہونیوں کی جانب سے مسلسل جانبداری کے الزامات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو اس بات پر ناراض تھے کہ اوسلو ''امن عمل'' کی ناکامی کے بعد اور دوسری انتفاضہ کے دوران گرتی ہوئی لاشوں (جن میں کچھ اسرائیلی لیکن زیادہ تر فلسطینی تھے) کے باوجود بی بی سی نے ان کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔

ان الزامات کا روایتی جواب یہ ہوتا تھا کہ ایک جائزہ رپورٹ کمیشن کی جائے، جس کے بعد اکثر نئی تربیت (training) کا آغاز کر دیا جاتا۔ بہت سے لوگوں کو 2004ء کی اندرونی ''بیلن رپورٹ'' (Balen Report) یاد ہوگی۔ وہ دستاویز کبھی شائع نہیں کی گئی اور اسے صرف پچھلے سال بی بی سی کے سابق صحافی ٹم لیولن نے ''الیکٹرانک انتفاضہ'' کے لیے لکھتے ہوئے بے نقاب کیا۔

اسی دور میں ''ہٹن انکوائری'' (Hutton Inquiry) بھی سامنے آئی، جسے ٹونی بلیئر نے بی بی سی پر اس وقت مسلط کیا جب وہ 2003ء کی عراق جنگ سے پہلے جعلی انٹیلی جنس معلومات فراہم کرنے کے الزامات سے خود کو بری الذمہ قرار دلوانے پر تلے ہوئے تھے۔

بی بی سی نے اس کے بعد لارڈ ہٹن کی اس کارروائی سے ہونے والے ساکھ کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے ''رونالڈ نیل رپورٹ'' کمیشن کی، جس نے سابقہ ڈائریکٹر جنرل گریگ ڈائیک کو عہدے سے ہٹا دیا تھا اور (پرجوش صیہونی) مارک تھامسن کے لیے عہدہ سنبھالنے کی راہ ہموار کر دی تھی۔

2006ء میں شکایات کی بھرمار اور گھڑے گئے اسکینڈلز کے بعد، اسرائیل اور فلسطین کے بارے میں بی بی سی کی رپورٹنگ کی غیر جانبداری کا فیصلہ کرنے کے لیے ''سر کوئنٹن تھامس رپورٹ'' کمیشن کی گئی۔

بی بی سی پر صیہونی غلبے سے پہلے، تھامس رپورٹ ایک جامع اور متوازن کوشش تھی۔

اب حالات کس قدر بدل چکے ہیں، میں حالیہ انتہائی ناقص ''پریسکوٹ میمو'' کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔

تھامس رپورٹ نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کوئی منظم اسرائیل نواز یا اسرائیل مخالف تعصب موجود نہیں ہے، لیکن اس نے ''کوریج، تجزیہ، سیاق و سباق اور تناظر میں ایسی خامیوں'' کی نشاندہی کی تھی جس کے نتیجے میں بی بی سی تنازع کا ''مکمل اور منصفانہ احوال تسلسل کے ساتھ بیان کرنے میں ناکام'' رہا۔

تھامس کی سفارشات میں دبی ہوئی، اور آج تقریباً مکمل طور پر فراموش کی جا چکی ایک بات ''تنازع پر عملے کے لیے آن لائن ٹریننگ ماڈیول'' کا حوالہ بھی تھا، جس کے بارے میں پینل کی رائے اتنی اچھی تھی کہ انہوں نے کہا اسے عوام کے لیے بھی دستیاب ہونا چاہیے۔

وہ ماڈیول کبھی عوام تک نہیں پہنچ سکا۔ تاہم، میں نے اس کی ایک کاپی اپنے پاس محفوظ رکھی تھی اور اب میں پہلی بار اس کی کچھ نمایاں جھلکیاں یا ''زیادہ درست طور پر، اس کی کوتاہیاں'' شیئر کر سکتا ہوں۔

کثیر الانتخابی سوالات کی دیوانگی

2006ء کا ''مڈل ایسٹ ماڈیول'' بی بی سی نیوز کے تمام ملازمین کے لیے لازمی تربیت تھی اور کئی سالوں تک اسی طرح رہی۔

یہ 18 کوئز سوالات پر مشتمل تھا جس میں اسرائیل۔فلسطین کشمکش کی تاریخ اور سیاسی حرکیات کا جائزہ لیا گیا تھا، جس میں ویڈیو وضاحتیں اور دو تربیتی ''منظر نامے'' شامل تھے۔

سطحی طور پر، یہ کثیر الانتخابی سوالنامہ ناواقف لوگوں کو تعلیم دینے کی ایک معقول کوشش معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس میں دھوکہ دہی کی بو آتی ہے: آپ اسے جتنا زیادہ تلاش کریں گے، اتنا ہی یہ واضح ہوتا جائے گا۔

پہلا سوال یہ تھا: ''دونوں عالمی جنگوں کے درمیان اس علاقے کا ذمہ دار کون سا ملک تھا جسے عام طور پر فلسطین کے نام سے جانا جاتا ہے؟''

اس کا جواب، جزوی طور پر، یوں تھا:

''برطانوی مینڈیٹ کا دور ایک ناخوشگوار دور تھا، جس کی وجہ جزوی طور پر وہ متضاد وعدے تھے جو برطانیہ نے عربوں، یہودیوں اور فرانس (جس کے ساتھ اس نے مشرق وسطیٰ کو تقسیم کیا تھا) سے کیے تھے۔ صیہونیت اور عرب قوم پرستی کے مسابقتی دعووں کو حل کرنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد، برطانوی حکومت نے 1947ء میں یہ مسئلہ اقوام متحدہ کو بھیج دیا۔ اقوام متحدہ کے منصوبے نے فلسطین کو ایک آزاد عرب ریاست اور ایک آزاد یہودی ریاست میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی، جس میں یروشلم کو خصوصی درجہ دیا گیا۔ اسے صیہونیوں نے ہچکچاہٹ کے ساتھ قبول کیا لیکن عربوں نے مسترد کر دیا۔''

دوسرا سوال یہ تھا: ''یہ وہ سال تھا جب اسرائیل نے اپنی ریاست کا اعلان کیا اور فلسطینی اسے ''النکبہ'' یعنی تباہی کہتے ہیں۔ یہ کب تھا؟''

اس سوال کے جواب کا ایک حصہ یہ تھا:

''موجودہ دور کی ریاست اسرائیل کا اعلان 14 مئی 1948ء کو تل ابیب میں کیا گیا، ایک ایسے اعلان کے ساتھ جس میں اس کے بائبل (تورات) کے ماضی کا حوالہ دیا گیا تھا... جیسے ہی اسرائیل نے اپنی ریاست کا اعلان کیا، شام، مصر، اردن، لبنان، سعودی عرب اور عراق کی افواج نے حملہ کر دیا، جس میں مصر اور اردن نے زیادہ تر لڑائی کی۔ اسرائیل نے ان افواج کو شکست دی اور اس زمین پر قبضہ کر لیا جو اصل میں فلسطینی عربوں کے لیے مختص کی گئی تھی... اس وقت لاکھوں فلسطینی عرب بھاگ گئے یا انہیں فلسطین چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، جسے وہ ''النکبہ'' یعنی تباہی کہتے ہیں... ان کے جانے کی وجوہات اب بھی متنازع ہیں۔''

کورس ڈیزائنرز نے ایسے عناصر شامل کیے ہیں جنہیں معروضی طور پر حقائق پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ فلسطینی نقطہ نظر کے حامی بھی لگ سکتے ہیں، مثال کے طور پر:

لفظ ''فلسطین'' کو نمایاں کرنا جس کے بارے میں بہت سے صیہونیوں کا دعویٰ ہے کہ اس کا کبھی وجود ہی نہیں تھا۔

برطانیہ کے مذموم سامراجی کردار کا اعتراف کرنا۔

''النکبہ'' کا نام لینا، جو اس وقت مغربی بیانیے میں ایک گمنام تصور تھا۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ فلسطینی پناہ گزینوں کو زبردستی نکالا گیا تھا۔

لیکن ذرا غور کریں کہ کس چیز کو صاف کر دیا گیا یا نظر انداز کر دیا گیا: سب سے زیادہ ڈھٹائی سے، ''عربوں اور یہودیوں'' کا ذکر کیا گیا لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سا گروہ وہاں کا مقامی تھا اور کون زیادہ تر نوآبادیاتی آبادکاروں کے طور پر آیا تھا۔

مزید یہ کہ: 19ویں صدی کے آخر میں یورپ میں صیہونیت کے آغاز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

زمین کی غیر متناسب تقسیم (55 فیصد) کا کوئی ذکر نہیں ہے جو ایک ایسی یہودی ریاست کو دی گئی جس کے مستفید ہونے والے، دہائیوں کی نوآبادیات کے بعد بھی، 1947ء کی آبادی کے ایک تہائی سے بھی کم تھے۔

اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ صیہونی افواج نے 1948ء میں عرب علاقوں کے دفاع کے لیے عرب افواج کے متحرک ہونے سے بہت پہلے ہی فلسطینی آبادی کے مراکز کی نسل کشی (Ethnic Cleansing) شروع کر دی تھی۔

پناہ گزینوں کے ''بھاگنے پر مجبور ہونے'' کا اعتراف کرنے کے بعد (مجہول فعل میں، یہ کہے بغیر کہ انہیں کس نے مجبور کیا)، متن دوبارہ اسرائیل کے ''ہاسبرا'' (پروپیگنڈا) ماہرین کے حق میں ہو جاتا ہے، جن کے بارے میں میرا پختہ یقین ہے کہ وہ غیر جانبدارانہ تربیت کے اس ڈھونگ کے پیچھے اصل رہنما تھے۔

2006ء تک، مورخین طویل عرصے سے اس صیہونی مفروضے کو غلط ثابت کر چکے تھے کہ فلسطینی اپنی مرضی سے چلے گئے تھے یا انہیں ان کے رہنماؤں نے ایسا کرنے کی ہدایت دی تھی۔ پھر بھی بی بی سی نے اس مفروضے کو ان مبہم جو الفاظ ''اب بھی متنازع ہے'' کے ذریعے زندہ رکھا۔

ان پہلے دو سوالات میں اسرائیل کے بنیادی بیانیے کی شرافت کو مجروح کرنے والے ہر تکلیف دہ سچ کو مٹا دیا گیا ہے۔

تاہم، اسرائیل کا نام نہاد 'بائبل کا ماضی' جگہ بنانے میں کامیاب رہا! کیا بی بی سی نیوز ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ وہ تورات کے بیانیے اور ابراہیمؑ سے خدا کے عہد کی صداقت کی توثیق کرتا ہے؟

بگاڑ اور گمراہ کن باتیں (Red Herrings)

یہ پہلے دو سوالات اس پورے ''گیس لائٹنگ'' (ذہنی طور پر مفلوج کرنے والے) تربیتی ماڈیول کا رخ متعین کر دیتے ہیں۔

کچھ سوالات بظاہر معقول لگتے ہیں: جیسے 1967ء کی چھ روزہ جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟ پی ایل او (PLO) نے اسرائیل کو باقاعدہ طور پر کب تسلیم کیا؟ ''حقِ واپسی'' (Right of Return) کیا ہے؟

لیکن ہر جواب میں فلسطینی نقطہ نظر کو سرسری طور پر چھوتے ہوئے اسے اسرائیلی پروپیگنڈے اور من گھڑت باتوں کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

1967ء کی جنگ اور اسرائیلی موقف

1967ء میں اسرائیل کے تین محاذوں پر حملے کو خالصتاً ''پیشگی اقدام'' قرار دیا گیا ہے، یہ کہتے ہوئے کہ اسرائیل کو ''یقین'' تھا کہ مصر، اردن اور شام اس پر ''حملہ'' کرنے والے ہیں۔

اسی جواب میں 2005ء میں غزہ سے اسرائیلی انخلاء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد 242 کی تعمیل سے غلط طور پر جوڑ دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں وہ ''کلاسیکی ہاسبرا'' (اسرائیلی پروپیگنڈہ) دعویٰ بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ قرارداد 242 میں صرف ''حالیہ تنازع میں قبضے میں لیے گئے (کچھ) علاقوں'' سے انخلاء کا کہا گیا تھا، نہ کہ ''تمام مقبوضہ علاقوں'' سے، تاکہ اسرائیل کو من مانی کرنے کی چھوٹ مل سکے۔

یاسر عرفات اور حقِ واپسی

یہاں یہ جھوٹا دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ یاسر عرفات نے دسمبر 1988ء میں ''واضح طور پر اسرائیل کے ایک یہودی ریاست کے طور پر وجود کے حق کی توثیق کی تھی'، حالاں کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، جیسا کہ آپ آسانی سے چیک کر سکتے ہیں۔

حقِ واپسی کو بین الاقوامی قانون کے تحت ایک ناقابلِ تنسیخ حق کے بجائے محض ایک ''فلسطینی مطالبہ، جسے اقوام متحدہ کی حمایت حاصل ہے'' کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اور حد تو یہ ہے کہ ''قرارداد 194 اور اس پر اسرائیل کی مخالفت پر بحث کے بعد متن کہتا ہے: ''اسرائیل کا بھی اپنا ایک حقِ واپسی'' ہے (جو 1950 کے قانونِ واپسی کے تحت قائم کیا گیا)، ایک ایسا طریقہ کار جس کے ذریعے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد ہونے اور شہریت لینے کی اجازت دی جاتی ہے۔''

غیر متعلقہ سوالات

آخری تین سوالات کی تعلیمی اہمیت سمجھ سے باہر ہے۔

کتنے فیصد اسرائیلی خود کو یہودی کہتے ہیں؟ (جواب: 4.76 فیصد، لیکن یہ بتانا ''بھول'' گئے کہ غیر یہودیوں میں تقریباً تمام فلسطینی ہیں)۔ کیا فلسطینی مسلمانوں کی اکثریت سنی ہے یا شیعہ؟ (اس کا کیا مقصد؟) اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں کتنے عیسائی رہتے ہیں؟ (جواب: 193,000، لیکن اس بار فیصد کا ذکر غائب ہے)۔

میڈیا کے نمونے (Scenarios)

تربیت میں شامل دو ''منظر نامے'' ملٹی میڈیا مواد پر مبنی ہیں، جن میں اس وقت کے مڈل ایسٹ ایڈیٹر جیریمی بوون کے کلپس شامل ہیں۔

پہلا منظر نامہ: اس کا مرکز (حسبِ توقع) ایک خودکش دھماکہ ہے جس میں اسرائیلی شہری ہلاک ہوئے۔

دوسرا منظر نامہ: تربیت لینے والے کو ایک ٹی وی پیکج کے لیے مہمان کا انتخاب کرنا ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوگی کہ درست انتخاب کوئی اور نہیں بل کہ اسرائیلی حکومتی ترجمان مارک ریگیو (Mark Regev) ہیں!

اور جیریمی بوون کا افتتاحی کلام؟ یقین مانیں، وہ ایک کیفے میں بیٹھے یہ بحث کر رہے ہیں کہ کس طرح اسرائیلی اور فلسطینی دونوں ہی ''حمص'' اور ''فلافل'' پر اپنے قومی پکوان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! اس پوری تباہ کن صورتحال کے لیے یہ ایک بہترین استعارہ ہے۔

اختتامیہ

تربیت لینے والوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس کورس کو مکمل کرنے کے لیے دو گھنٹے صرف کریں گے، جس کے آخر میں جیریمی بوون ایک خوشگوار ویڈیو پیغام کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں:

''بہت خوب، آپ نے اسے مکمل کر لیا... بہت سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ''سرزمینِ مقدس'' (Holy Land) میں ان کا مفاد وابستہ ہے، اس لیے ہم غلطی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اسرائیل اور فلسطینیوں کی کوریج کرنے والے صحافیوں کے لیے سب سے اہم بات بنیادی مسائل کو سمجھنا ہے... گڈ لک۔ اگر آپ کو کسی چیز کے بارے میں یقین نہ ہو تو پوچھ لیں۔ بی بی سی میں کچھ بہترین لوگ موجود ہیں جو آپ کو جوابات دیں گے۔''

وہ جوابات تو دیں گے، مگر وہ ہمیشہ سچ نہیں ہوں گے۔ واقعی، گڈ لک!

مارٹن اسر ایک آزاد صحافی ہیں۔ انہوں نے 22 سال (1995-2015 اور 2022-2024) بی بی سی کے ساتھ کام کیا ہے۔

[بشکریہ: دی الیکٹرانک انتفاضہ]

فلسطینی جھوٹ بولتے ہیں، امریکی سچ کہتے ہیں!

مغرب کے میڈیا میں ان دنوں یقین اپنی کوتاہ نظروں کو چھو رہا ہے۔ وہاں پر یہ سوال ان دنوں عام ہے کہ 70 ہزار سے زیادہ فلسطینی اسرائیل کی لاکھوں ٹن بمباری کے بارود سے مارے گئے تو ان کی لاشیں کہاں ہیں؟ یہ لاشیں کیوں کر مل نہیں رہیں؟ کہیں یہ فراڈ تو نہیں ہے؟ کیا یہ موت شہنشاہ کی خواہش کے عین مطابق ظاہر یا غائب نہیں ہو جاتی؟ کیا 7 مارچ 2024ء کو جود میں آنے والی لاش ملبے کے ڈھیر کی تھی؟ تقریباً اڑھائی برس بیت گئے کہ قتل عام جاری ہے، مغربی میڈیا اب تک صرف لاشوں کی سکروٹنی کر رہا ہے کہ آیا یہ مرنے والے فلسطینیوں کی تھیں یا پھر کوے، طوطے اور دیگر پرندے کہیں اڑے اور غائب ہو گئے۔ یہ چند ٹوٹی ہڈیاں، سروں کے استخوانی مینار، ٹوٹی ٹانگیں، بنا گوشت کے بازو، کیا یہ تھے سب 70,113 فلسطینی؟

مغربی میڈیا یہ سوال بھی کر رہا ہے کہ یہ سب اسرائیلی گولیوں، برطانوی، فرانسیسی، اطالوی اور ہاں امریکی بموں، راکٹوں، میزائیلوں سے مارے گئے ہیں تو کیسے؟ اگر یہ مر ہی گئے ہیں تو پھر ان کے تباہ حال بدن کہاں گئے، زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ احمد حسن نے ان کی تصویروں کے لاتعداد اور بے شمار ڈھانچوں سے یہ سوالات اخذ کیے ہیں۔

اگر یہ سب واقعی مارے گئے ہیں، کیا یہ اسرائیلی بموں، گولیوں، ٹارچر سیلوں یا محاصروں میں بھوک پیاس سے مارے گئے ہیں؟ اگر یہ واقعی مارے گئے ہیں تو اس میں کتنی صداقت ہے، سچائی ہے کہ یہ عام شہری تھے، لڑنے والے نہیں تھے، 20 ہزار سے زیادہ بچے نہیں تھے، اتنی بڑی تعداد میں عورتیں نہیں تھیں، لڑکیاں نہیں تھیں جو اپنی گڑیا کی شادی رچا نہیں بل کہ گن اٹھا کے اسرائیلی فوج سے لڑ نہیں رہی تھیں، یہ فٹ بال گراؤنڈ میں کھیلتے لڑکے بھالے نہیں تھے جن کے سروں کو ہزاروں فٹ بالوں میں تبدیل نہیں کر دیا گیا؟ لیکن ایک جواب سب کو معلوم ہے کہ یہ لڑنے والے نہیں تھے۔ یہ نوزائیدہ، چھوٹے، ننھے معصوم بچے نہیں تھے جو صدر ٹرمپ، ٹونی بلیئر، کیئر سٹارمر، کسی جدید چرچل، نئے مسولینی جو لڑتے بھڑتے نوجوان دکھائی دیتے رہے۔ وہ ''لڑنے والے'' ''القسام'' تھے۔ ان کا انجام تو یہی ہونا تھا کیوں کہ وہ ابوعبیدہ بنے، وہ کس کی اجازت سے اسماعیل ہنیہ کہلائے؟ انہیں کس نے اجازت دی کہ وہ بریدہ بازو سے لڑتے ابوابراہیم یحییٰ السنوار کہلائے اور دم آخر بھی ایک بے ضرر چھڑی سے ڈرون سے لڑتے رہے۔ ان تمام سوالات کا ایک ہی سوال ہے کہ اجتماعی قبروں میں بھی آسودۂ خاک کون کون ہے، آخر ابوابراہیم السنوار کہاں سو رہے ہیں۔ ان کی اس بے ضرر نیند سے بھی کون خوف زدہ ہے؟

غزہ کی وزارت صحت دسمبر 2025ء کے آخر تک شہیدوں کو گنتی رہی۔ یہ گنتی ہسپتالوں کے مردہ خانوں، اجتماعی قبروں میں شناخت ناموں اور انفرادی آرام گاہوں میں ڈالے گئے شہیدوں کی ہے۔ یہ سب شہید ہوئے، یہ سب گنے گئے۔ ان مارے جانے والوں

کی بہت بڑی تعداد شہریوں کی ہی تھی۔ جو گن اٹھانا بھی نہیں جانتے تھے۔ اقوام متحدہ اور بے شمار آزاد اداروں کے ریسرچرز اب بھی اتفاق کرتے ہیں کہ سرکاری اعداد و شمار اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مصداق ہیں۔ جنگ کے صرف ابتدائی نو ماہ گزرے تھے جب یہ تعداد سامنے آچکی تھی، آزاد ادارے چیخ رہے تھے کہ اب تک 64,000 فلسطینی مارے گئے ہیں۔ یہ صرف وہ مرنے والے تھے جو اپنے زخموں کو، اپنے ٹراما زدہ جسموں کو سنبھال ہی نہ پائے تھے، ان کو گولیاں آن کے حلقوم پار کر گئی تھیں یا دلوں میں پیوست ہو گئی تھیں، ان کے بھیجے اڑا گئی تھیں۔ بہت کم ایسے تھے جن کی پشت پر زخم آئے تھے اور اتنے زیادہ آئے تھے جو گنتی میں نہیں آسکے تھے۔

وزارت صحت کے اعداد و شمار کے مطابق 40 فیصد تو وہ تھے جو اس لیے موت کے اندھے منہ میں چلے گئے کہ ان کو صحت کی سہولت نہیں دی جا سکی، جو بھوک نے اُچک لیے، جو پانی نہ ملنے سے مارے گئے، جو سیوریج کے نہ ہونے سے بیماریوں کے ان گنت سرطان کے شکار ہو گئے۔ جب ان اعداد و شمار کو مرتب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اموات تو اس تعداد سے کہیں، کہیں زیادہ ہیں جو بیان کی جا رہی ہیں۔ جولائی 2024ء میں ایک سٹڈی شائع ہوئی تھی جس کا سہرا کسی مسلم کے سر نہیں بل کہ یہ سٹڈی Lancet کی ہے۔ جس نے یہ تعداد 1,86,000 گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہزاروں لاکھوں میں تعداد وہ ہے جو بموں، گولیوں، نا قابل برداشت بیماریوں اور بھوک کے آگے جان ہار گئی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تر گنتیوں کو ایک طرف کر دیں، ان سب سے بڑی تعداد نیتن یاہوؤں کی نفرت نے ماردی تھی۔ سب سے بڑا قاتل تو یاہو کا چہرہ تھا۔

وزارت صحت نے اموات کی دستاویز بندی کی ہے۔ اس کے لیے اس نے ہسپتالوں کے مردہ خانوں سے مرنے والوں کے نام، آئی ڈی نمبرز سے مرنے والوں کی گنتی کی ہے۔ اس میں صرف پہچانے جانے والوں کو ہی شمار کیا گیا ہے۔ ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ بہت سے افراد جو کسی شمار میں ہی نہیں آئے، وہ معمولی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک ایسی تعداد بھی تھی جس پر گلیوں، سڑکوں، بازاروں میں ٹینک چڑھا دیے گئے تھے اور وہ زمین کے ساتھ لگ کر زمین ہی ہو گئے تھے۔ ان کی شناخت ممکن ہی نہیں رہی تھی۔

اس کے باوجود آج تک مغربی میڈیا اس پیمانے کی تباہی کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اس وسیع پیمانے کی قتل و غارت گری کو مان کے نہیں دے رہا۔ اسرائیل ”اس کو بھی متنازعہ“ اب جب کہ غزہ میں نسل کشی رکی نہیں بل کہ جاری ہے۔ اگرچہ اس کی رفتار سست کر دی گئی ہے اور اسے خود ساختہ اور نام نہاد جنگ بندی قرار دیا جا رہا ہے، موت اور تباہی کی نئی کہانی شروع کر دی گئی ہے۔ ایران میں لوگوں کو اشتعال زدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی ہی منتخب کردہ حکومت کے خلاف سڑکوں پر نکل آئیں اور مارے جائیں۔ یہ مساجد کو جلا رہے ہیں۔ اس خطے میں موت اور تباہی کا ایک اور سٹیج تیار کیا جا رہا ہے۔ ایران میں لوگوں کو سڑکوں پر نکالا جا رہا ہے۔ موساد اور سی آئی اے ان کو قتل کر رہے ہیں اور مشتعل ہونے والوں کو قتل کرایا جا رہا ہے۔

میڈیا کے یہی مغربی ذرائع اور ان کے مقامی حواری غزہ میں تباہ کاریوں کا کھیل اب ایران میں کھیل رہے ہیں۔ ایران سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد حیران کن ہے۔ کوئی حکومت اپنے شہریوں کو یوں قتل نہیں کرتی۔ جب لوگوں نے دیکھا ہے کہ مساجد میں بم پھینکے جا رہے ہیں تو انہیں کسی حد تک یہ بات سمجھ آنے لگی ہے کہ کرانے والا مسلمان نہیں ہے، غیر مسلم ہے۔

سی بی ایس نے رپورٹ دی کہ ”دو ذرائع“ ہیں۔ ان میں ”ایک“ ایران کے اندر ہے اور ”دوسرا“ ایران کے باہر سے ہے۔ انہوں نے صحافیوں کو بتایا کہ کم سے کم 12,000 اور زیادہ سے زیادہ 20,000 افراد ایران میں اب تک مارے گئے ہیں۔ رپورٹ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ غیر ملکی صحافیوں کو ایران کے اندر رسائی نہیں دی گئی۔ جب کہ مواصلاتی ذرائع کاٹ دیے گئے ہیں۔ جو ذرائع کام کر رہے تھے، وہ بھی روک دیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود بعض قابل اعتبار ذرائع ابلاغ کے توسط سے کہا جا رہا ہے کہ یہ اعداد و

شمار غلط نہیں ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد 12,000 سے زیادہ دکھائے ہوئے ویڈیو میں بتایا گیا ہے کہ یہ تعداد درست ہے۔

ایسی ویڈیوز دکھائی جا رہی ہیں جن میں لاش کے اوپر لاش پڑی ہے۔ دکھایا جا رہا ہے کہ بچے اپنے ٹینٹوں میں جلے پڑے ہیں۔ ایران میں مظاہروں کے آغاز سے مغربی میڈیا نے ایک نئی ہم آہنگی متعارف کرانا شروع کی ہے۔ وہ ایک ایسے معاملے کی درست، قابل اعتبار اور قابل قبول گنتی کی بات کر رہا ہے جو اس نے خود دیکھی نہیں۔

غزہ میں اموات ریکارڈ کیے جانے کے باوجود شکوک کہی جا رہی ہیں۔ حالاں کہ اس نسل کشی کو دنیا بھر نے دیکھا ہے، شمار کیا ہے، اس پر مغربی میڈیا سوالات اٹھا رہا ہے اور مسلسل کہہ رہا ہے کہ یہ قابل اعتبار ہی نہیں ہیں، ایسا ہوا ہی نہیں ہے۔ وہ دوسری طرف ایران میں گنتی شمار کر رہا ہے، جسے اس نے دیکھا ہی نہیں ہے، اس کی نگاہیں اتنی تعداد میں مرنے والوں کو تلاش کر رہی ہیں اور ایرانی حکومت کو مؤرد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ پھر سوال تو یہ بنتا ہے کہ مغربی میڈیا کس کے مفادات کا تحفظ کر رہا ہے۔

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ غزہ میں گنتی کے شمار میں منقار زیر پر اور ایران کے معاملے میں بلندی پر ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ وہ فلسطینیوں کو گولیاں لگنے، انہیں مارے جانے، ان کے قتل عام کو کیوں نظر انداز کر رہا ہے؟

ایک طرف یہ میڈیا کہہ رہا ہے کہ ہزاروں ایرانی ان کی اپنی حکومت کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ یہ بھی نہیں کہا جا رہا کہ ان کے مارے جانے پر یقین ہی نہ کیا جائے۔ یا یہ بھی نہیں کہا جا رہا کہ وہ مارے گئے اور انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔ کیوں کہ ان کی گنتی کرنا مشکل ہے یا یہ کہ ایرانی رجیم گنتی کرنے کی مزاحمت کر رہی ہے۔

ان کی جو بھی جدوجہد سے مزاحمت ہے اور جس قدر بھی ہے، اس کی اہمیت ہے۔ ان کی اموات طوطے اور کوے کی ہیں، انسانوں کی اموات ہیں۔ ہر معصوم اور بے گناہ موت قابل صد افسوس ہے۔ اسی طرح ان کی داستان اہم ہے، بڑی ہے۔ لیکن جس طرح ہم ایرانیوں کی اموات کے بارے میں سنتے ہیں، اس سے کہیں بڑے کینوس پر غزہ کی اموات ہیں۔ اگر مغربی میڈیا کے لیے ایرانی کی موت تو موت اور غزہ میں ہونے والی موت کسی کھاتے میں نہیں تو یہ منافقت ہے۔ یہ میڈیا مطلب کی موت کو بڑھا کر پیش کر رہا ہے اور جس میں خود اس کے کرتا دھرتا ملوث ہیں، اسے پیش کرنا ہی گناہ سمجھتا ہے تو یہ کہا کا انصاف ہے، یہ کیسا ابلاغ ہے؟

یہی ابلاغی ذرائع ہیں جو کئی برسوں سے ہمیں یقین دلانے میں لگے ہیں کہ فلسطینی تو وہ ہیں جو امریکیوں کو ذبح کر دیتے ہیں۔ وہ ہمارا یقین ہیں نہیں کرتے جب ہم کہتے ہیں کہ اسرائیلی ہمارا شکار کر رہے ہیں، ہمیں مار رہے ہیں۔ ہم امداد کے لیے قطار میں لگتے ہیں اور گولیاں ہمارے سینے چھلنی کر دیتی ہیں۔ یہ ہم پر اعتماد ہی نہیں کرتے جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ننھے منھے بچے برف میں جم کر مر رہے ہیں، ہمارے بچے بھوک سے بلک بلک کر جانیں دے رہے ہیں۔ کیوں کہ اسرائیلی جلانے کے لیے لکڑی آنے نہیں دے رہے، ہمارے بچوں کے لیے فارمولا دودھ غزہ آنے نہیں دے رہے۔

مغرب والے یقین ہی نہیں کرتے کہ ہمارے بھی مرتے ہیں۔ وہ یقین ہی نہیں کرتے جب غزہ کی وزارت صحت کہتی ہے کہ جن صفحوں پر ہمارے مرنے والوں کے صرف نام درج ہیں، ان کی تعداد 1500 ہے۔ پہلے صفحات پر صرف ان بچوں کے نام ہیں جن کی عمریں 16 سال یا اس سے بھی کم ہیں۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ یہ ابھی اندازے ہیں۔ ان کی تصویروں کے البم الگ ہیں۔ ہمارے لوگوں اور بچوں کی فہرستیں اور بھی بہت زیادہ ہیں۔

فلسطینیوں کی فہرستیں اور تصویری البم اس لیے بہت زیادہ ہیں کیوں کہ یہ واشنگٹن کے ''مہذت اور جمہوری'' فوجوں کے اسرائیلی ایجنٹوں کے ہاتھوں ہوئی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی اور یہ امریکی کس قدر ظالم اور سفاک ہیں، یہ کتنے کھلے دل سے ہمیں موت کے گھاٹ اتارتے ہیں کیوں کہ ان کے ہاتھوں میں قوت ہے۔ امریکہ کی مخالف ایرانی حکومت کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتیں ان کے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے زیادہ ہیں۔ ہمارے شہید کے اوپر شہید ہے، ان کے نیچے اور دائیں بائیں شہید ہیں، بے شمار ہیں، ان کے ڈھیروں کے ڈھیر ہیں۔ اس کے باوجود امریکہ بچانے والا ہے۔ خوراک کے لیے آنے والوں کو غزہ کے میدانوں میں اسی بچانے والے نے مارا ہے۔ ایرانیوں کی اموات کی رپورٹیں، جب غیر جانب داروں کے ہاتھوں بھی لکھی گئی ہیں، خود ان کے اپنے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

یہ محض صحافت کی ناکامی نہیں ہے۔ یہ اخلاقیات کی مستقل ناکامی ہیں۔ موت کو محض شہادت سے ناپا نہیں جا سکتا۔ اسے سیاسی فائدے سے ناپا جا رہا ہے۔ کچھ لاشیں ایسی ہیں جو اقدامات کا مطالبہ کرتی ہیں۔ کچھ لاشیں، خواتین کی لاشیں، خاموشی کا تقاضا کرتی ہیں۔ جب تک مغربی میڈیا اپنے بڑوں کے سامنے کھڑا نہیں ہوتا اور یہ فیصلہ نہیں کرتا کہ یقین کی بھی حد ہوا کرتی ہے جو کہ اب تک نہیں ہے، یہ سب سہولت کار رہیں گے، یہ قتل عام کے مددگار رہیں گے۔

جائزہ: ابوالعین

غزہ برباد کرنے والے اپنے پرائے کون تھے؟

غزہ پرحملوں میں استعمال ہونے والے اسلحہ اور گولہ بارود میں تناسب کے اعتبار سے امریکہ کے بے نقاب ہونے والے آلات اور ہتھیاروں کا بیس فیصد ظاہری طور پر استعمال ہوا۔ یورپ و ایشیا کے چنیدہ ممالک نے بھی اس حصے میں اپنی قوت اسرائیل کو فراہم کی۔

غزہ پر جنگ مسلط کرنے والوں میں بڑی تعداد غیر مسلموں، یہودیوں اور مسیحیوں کے علاوہ ہنود کی تھی۔ کسی نے اسلحہ اور گولہ بارود دیا، کسی نے اربوں ڈالر دیے اور کسی نے افرادی قوت مختلف سطحوں پر فراہم کی۔ اس میں باقی ماندہ تعداد اربوں ڈالر، فوجی صلاحیت، تکنیکی مہارت کی صورت میں مسلم ممالک نے فلسطین کی تباہی میں اہم کردار ادا کیا۔

اس جنگ کے آخری سال یعنی 2025ء میں ریکارڈ تعداد میں اربوں امریکی ڈالر مالیت کی نقد کے علاوہ گیس کی دوطرفہ فراہمی، ٹیکنالوجی اور فوجی معاہدوں کی صورت میں اسرائیل کی مدد کی گئی۔ اس طرح یہ جنگ دنیا بھر کے اہم اداروں، ممالک اور اسلحہ ساز کمپنیوں نے غزہ اور حماس کے خلاف لڑی۔

اس سارے معاہدہ جاتی عمل میں اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اس نے دسمبر 2025ء میں تاریخ کی سب سے بڑی ڈیل 35 ارب ڈالر کے معاہدے پر دستخط کیے۔ یہ توانائی کا سب سے بڑا معاہدہ تھا۔ اس ڈیل کے تحت مصر کو اسرائیل اس خطیر مالیت کی توانائی فراہم کرے گا۔ گویا اسرائیل کے توانائی سیکٹر کی بحالی، تعمیر نو اور 2040ء تک اسے توانائی فراہم کر کے یہ رقم اپنے دوسرے سیکٹرز، انڈسٹری اور تیل و گیس کی تلاش میں صرف کرے گا۔ یہ گیس اسرائیل کے لیویاتھن فیلڈ سے نکال کر مصر کو دی جائے گی۔ یہ گیس مصر کے ذریعے یورپ فراہم کی جائے گی۔ اس طرح مصر کی توانائی کی کمی کو اسرائیل کے ذریعہ 2040ء تک پورا کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ مصر نے 1979ء میں اسرائیل کو جائز اور قانونی ریاست کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ تب مصر نے اس ڈیل کو خالصتاً کمرشل ڈیل قرار دیا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دو سالہ حملوں کے دوران میں ایک ایسا وقت بھی آیا تھا جب اسرائیل نے مصر کو دھمکی دی تھی کہ اس نے رفاہ کی سرحد فلسطینیوں کے لیے کھولی تو نہ صرف یہ ڈیل ختم ہو جائے گی بل کہ اسرائیل اور امریکہ باقاعدہ مصر پر جنگ مسلط کر دیں گے۔ اس طرح غزہ میں جاری نسل کشی کی جنگ میں مصر کو خاموش کرا دیا گیا تھا۔ مصر کی حکومتی خاموشی کے خلاف عوام نے شدید ردعمل کا بھی مظاہروں کی صورت میں احتجاج کیا تھا۔

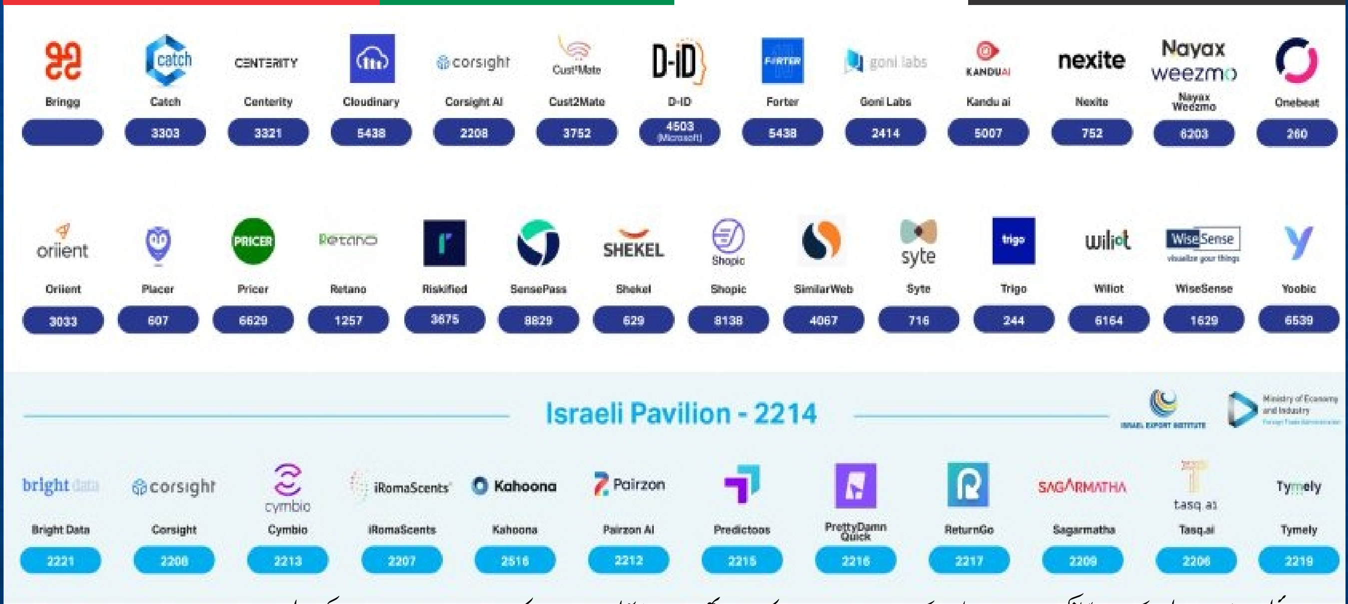

اسرائیل نے اس ڈیل کے علاوہ سینکڑوں ارب ڈالرز کے معاہدے متعدد ممالک سے بھی کیے تھے۔ یہ معاہدے جنگی ٹیکنالوجی کے تھے جو 2025ء میں ان ممالک اور اسرائیل میں ہوئے اور امریکہ نے ان میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان معاہدوں میں اسرائیل نے اپنا وہ اسلحہ فروخت کیا تھا جو اس نے فلسطین پر استعمال کیا تھا۔ اس طرح یہ اسلحہ جنگ میں آزمایا گیا ہے۔ ان معاہدوں سے اسرائیل کو اربوں ڈالر ملے تھے اور امریکہ واسرائیل کا اسلحہ فروخت ہوا تھا۔

امریکہ کے ٹیک ایجنٹ گوگل نے بھی اس نسل کشی میں اہم کردار ادا کیا۔ گوگل نے سائبر سیکیورٹی کمپنی Will کو حتمی شکل دینے کے لیے اسرائیل نے 32ارب ڈالر کا معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ Nvidia نے اسرائیل کی نگرانی کے آلات اور مصنوعی ذہانت (AI) کے منصوبے مکمل کرنے کے لیے 1.5ارب ڈالرز کا معاہدہ کیا۔ یہ منصوبہ حائفہ سے 30 کلو میٹر کے فاصلے پر مکمل کیا گیا۔

یورپ میں جرمنی کے ساتھ اسرائیل نے 6.5ارب ڈالر کی مالیت کا ایرو3 معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے تحت اسرائیل بیلاسٹک میزائیلوں کو روک سکتا ہے۔ اسرائیل کی فوجی صنعت میں یہ سب سے بڑا منصوبہ ہے۔

ان تمام امور کو الجزیرہ نے مختصر طور پر یوں پیش کیا ہے۔

مصر کے ساتھ 35ارب ڈالر کی ڈیل:

اس طویل مدتی ڈیل کے تحت مصر اور اسرائیل کے مابین 30 ارب کیوبک فٹ گیس کو (Lavianthein) فیلڈ سے 2026ء سے 2040ء تک کی مدت کے لیے جوڑا گیا۔ یہ اسرائیل کی سب سے طویل ڈیل ہے۔ اس پر دستخط 2025ء میں کیے گئے تھے۔

ایلفابیٹ گوگل کمپنی سے 32ارب ڈالر کی ڈیل:

گوگل کی بڑی کمپنی Alphabet نے اسرائیل کی سائبر کمپنی Wiz سے 32ارب ڈالر کی ڈیل ہوئی۔ یہ اسرائیل کی تاریخ میں سب سے بڑی ٹیکنالوجی ڈیل تھی۔ یہ ڈیل فائنل ہونے کے لیے یورپی کمیشن کی منظوری کی منتظر ہے۔ یہ منظوری 10 فروری 2026ء کو دی جائے گی۔

جرمنی سے 3.1ارب ڈالر کی ڈیل:

دسمبر 2025ء میں یہ ڈیل ہوئی۔ دسمبر میں جرمنی سے پہلے سے طے شدہ 3ارب ڈالر کے معاہدے میں اضافہ کیا گیا۔ اس طرح یہ معاہدہ 6.5 ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ یہ اسرائیل کا سب سے بڑا معاہدہ ہے۔

پالو آلٹو نیٹ ورک سے 25ارب کی ڈیل:

ان نیٹ ورک سے ڈیل کر کے سائبر آرک حاصل کرنے کا معاہدہ کیا۔ یہ اسرائیل کی سائبر کمپنی ہے۔ امکان یہ ہے کہ یہ ڈیل 2026ء کے نصف آخر میں مکمل ہوگی۔ اس میں ریگولیٹری اور شیئر ہولڈرز امور طے ہونا ہیں۔

Xero سے 13ارب ڈالر کی ڈیل:

نیوزی لینڈ کی اس کمپنی سے ڈیل کی گئی۔ اس میں Cloud Based Accounting Software میں مہارت رکھتی ہے۔ اس کا یہ معاہدہ اسرائیل کی کمپنی Fintech Melio سے ہوا ہے۔

جرمنی سے 2.6ارب ڈالر کا الگ معاہدہ:

مارچ 2025ء میں جرمنی کی ملٹی نیشنل کمپنی سے انشورنس معاہدہ کیا گیا۔

Nvidia سے 1.5ارب ڈالر کا معاہدہ:

دسمبر 2025ء Nvidia جرمنی نے 1.5 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔ اس کے تحت Mevo Carmel Zone South سے بہت بڑا اے آئی سروسز فارم تیار کیا گیا۔ اس منصوبے کا مقصد یہ ہے کہ Nvidia کا اگلی جنریشن کے بلیک ویل اے آئی پروسیسرز تیار کرنا ہے۔ یہ سب سے بڑا تحقیق وتعمیر کا مرکز ہوگا۔ اس طرح کا بڑا مرکز صرف امریکہ میں ہے۔

اسرائیل کے بڑے تجارتی شراکت دار:

جب تجارتی تفصیلات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کئی ممالک اسرائیل سے متعدد قسم کے معاہدے کر رہے ہیں۔ 2019ء سے 2025ء کے درمیان ہونے والے معاہدے چھوٹے گروہوں کو آمادہ اور مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اسرائیل سے معاہدوں میں شامل ہوتے جائیں۔ اس مدت کے درمیان کے معاہدوں کو ایک نظر ڈالنے سے یوں دیکھا جا سکتا ہے۔

امریکہ سے کل تجارتی حجم کا 18.9 فیصد جو 140ارب ڈالر ہے۔

چین سے کل تجارتی حجم کا 11.6 فیصد جو 86.5ارب ڈالر ہے۔

جرمنی سے کل حجم کا 5.5 فیصد جو 40.9ارب ڈالر ہے۔

ترکیے سے کل حجم کا 4.8 فیصد جو 35.7ارب ڈالر ہے۔

سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ سے 3.1 فیصد یعنی 23.1ارب ڈالر ہے۔

اسرائیل دنیا بھر سے جو کچھ درآمد کرتا ہے، ان میں:

الیکٹریکل مشینری، الیکٹرونکس اور مکینیکل آلات جن کی سالانہ مالیت 19 ارب

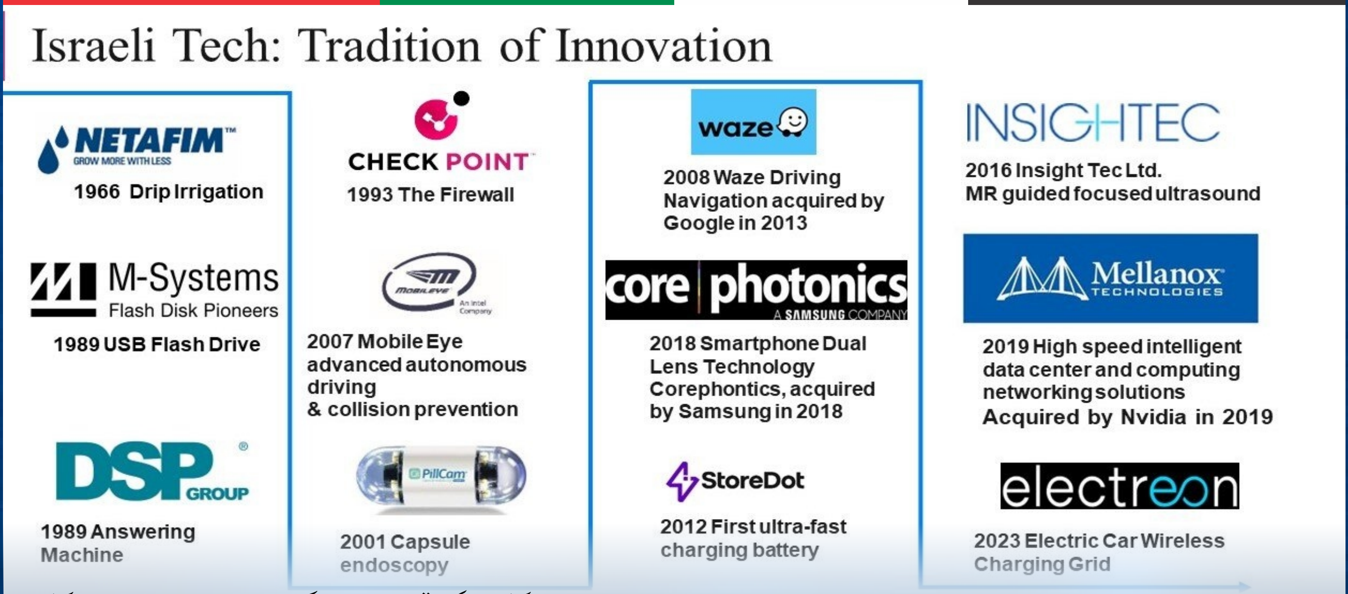

ڈالربنتی ہے۔

وہیکلز، کاریں، ٹرک، جہاز، مالیت 10 ارب ڈالر سالانہ

کیمیکل پراڈکٹس، ادویات 8 ارب ڈالر سالانہ

معدنیاتی مواد، پٹرولیم، کوئلہ، سیمنٹ، 7 ارب ڈالر سالانہ

قیمتی جم اور جیولری، ڈائمنڈ وغیرہ 4 ارب ڈالر سالانہ

برآمدات میں درج ذیل شامل ہیں:

الیکٹریکل مشینری، الیکٹرونکس، مکینیکل مصنوعات مالیت 18 ارب ڈالر

کیمیکل مصنوعات ادویات 10 ارب ڈالر سالانہ

معدنی مصنوعات 5 ارب ڈالر سالانہ

اسرائیل کا سب سے بڑا سیکٹر الیکٹرانکس کا ہے۔ اس کا برآمدی معیشت میں بڑا حصہ ہے۔ اس میں بڑے تعاون کرنے والے ادارے Intel، لارج سکیل چپ فیبریکیشن سہولیات Orbotech Elbit Sys جو ملٹری الیکٹرانکس اور ترقی یافتہ مینوفیکچرنگ ہے۔

اسرائیل کے پاس ہیروں کا بڑا حصہ ہے۔ وہ اربوں ڈالر کا خام ہیرا خریدتا ہے پھر ان کو تیار کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔

اکتوبر 2024ء میں اسرائیل کے خلاف جرائم کی بین الاقوامی عدالت میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے UNRWA کا معاملہ اٹھایا۔

یو این او کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتریس نے اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کو بار بار خبردار کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ان ملکی قوانین کو تبدیل نہ کیا جن کی وجہ سے یو این او کے اداروں بالخصوص انروا (UNRWA) پر لگائی گئی بے جا پابندی ختم کر کے اسے کام کی اجازت نہ دی تو اسے ایک بار پھر انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا سامنا کرنا ہوگا۔ اسے ان اداروں کے منجمد کردہ اثاثے اور پراپرٹی واپس کرنا ہوں گے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک خط 8 جنوری 2026ء کو لکھا تھا۔ گوتریس نے خط میں واضح کہا کہ یو این او اسرائیل کے نسل کش اقدامات سے لاتعلق نہیں رہ سکتی۔ یہ اقدامات ان ایجنسیوں اور اداروں کے معمول کے کاموں میں براہ راست مداخلت ہیں۔

اسرائیل کی پارلیمنٹ نے اکتوبر 2024ء میں ایک قانون کی منظوری دی تھی جس کے تحت انروا (UNRWA) کی ہر طرح کی سرگرمیوں اور کاموں پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کے بعد امریکہ نے بھی ایجنسی کی مالی امداد روک دی تھی۔ اسرائیل نے اپنے حکام سے بھی کہا تھا کہ وہ اس ایجنسی سے کسی قسم کے روابط نہ رکھیں۔ پھر ایک اور اقدام کر کے ایجنسی کے دفاتر، وئیر ہاؤسز اور دیگر مقامات پر بجلی اور پانی کے کنکشن ختم کر دیے تھے۔

ایک اور اقدام کے ذریعہ مقبوضہ مشرقی بیت المقدس سے بھی ایسے ہی اقدامات کر کے پابندیاں لگا دی تھیں۔ اس طرح اس نے ایک مرتبہ پھر یہ ظاہر کیا تھا کہ یہ خطہ اسرائیل کا حصہ ہے جب کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اسرائیل کا دعویٰ اور وہاں اس کے ہر طرح کے اقدامات بے معنی اور قانون کی خلاف ورزی ہیں۔

گوتریس نے کہا تھا کہ انروا (UNRWA) یو این او کا انمٹ حصہ ہے۔ انہوں نے واضح کہا تھا کہ اسرائیل بین الاقوامی قانون کے تحت انروا سے ہر طرح سے تعاون کرنے کا پابند ہے۔ اس کے حکام اور کارکنوں کو 1946ء کے کنونشن برائے سہولت اور مراعات حاصل ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی ملک بھی قانون سازی نہیں کر سکتا۔

اس کنونشن میں قرار دیا گیا ہے کہ یہ یو این او کا اٹوٹ انگ ہے۔ اس کے قوانین کی خلاف ورزی سنگین نوعیت کی پامالی کے زمرے میں آتے ہیں۔

یو این او میں اسرائیل کے سفیر ڈینی ڈینن نے گوتریس کے خط کو یکسر مسترد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کی یہ ایجنسی اپنا کام کرنے کے بجائے دہشت گردوں کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث پائی گئی ہے۔ سیکرٹری جنرل کا خط اسرائیل کے وجود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہم سیکرٹری جنرل کے مؤقف کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ پوسٹ (X) پر سفیر نے کہا کہ سیکرٹری جنرل کی ذمہ داری تھی کہ وہ انروا (UNRWA) کو دہشت گردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے روکے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ یہ بین الاقوامی قانون کا ہرگز دفاع نہیں ہے۔ یہ ایسی تنظیم (حماس) کے لیے کام کرنا ہے جو دہشت گردی کر رہی ہے۔

اسرائیل طویل عرصے سے مطالبہ کرتا آ رہا ہے کہ اس ایجنسی کی سرگرمیوں کو روکا جائے۔ اس ایجنسی کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ اسے 1949ء میں بنایا گیا تھا۔ تب سے یہ ایجنسی فلسطینی بچوں کو تعلیمی سہولیات فراہم کر رہی تھی۔ اس کی سرگرمیاں مقبوضہ عرب علاقوں کے ساتھ ساتھ شام، لبنان اور اردن میں بھی جاری تھیں۔

اسرائیل نے الزام لگایا تھا کہ اس کے درجن بھر کارکن 7 اکتوبر 2023ء کے اسرائیل پر حملوں میں ملوث تھے۔ اقوام متحدہ نے ان تمام الزامات کی تحقیقات کا اعلان کر رکھا ہے جو اب تک غلط ثابت ہوئے ہیں۔

آئینہ ایام: ربیٰ میسون

غزہ کو غائب نہ ہونے دیں

غزہ میں ایک بڑی تعداد ایسے فلسطینیوں کی ہے جو اسرائیلی جیلوں اور نظر بندی کیمپوں میں تشدد سے مار دیے گئے۔ حماس سے معاہدے میں بہت سے شہداء کی شناخت کا عمل جاری رہا ہے۔ یہ عمل پورا نہیں ہوسکا۔ جنوبی غزہ کے علاقے خان یونس میں ایک بڑی اجتماعی قبر میں بڑی تعداد میں ان فلسطینی شہداء کو دفن کیا گیا ہے جو اسرائیل نے حوالے کیے۔ اس اجتماعی قبر پر ایک وارننگ پر مشتمل کتبہ لگا دیا گیا جس پر لکھا ہوا ہے۔

''ان شہداء کی شناخت، ان کے احترام اور مستقبل میں انہیں پہچاننے کے لیے اس اجتماعی قبر کو مت کھودا جائے۔''

غزہ کی وزارت صحت نے 19 اکتوبر 2025 کو باقاعدہ اعلان کیا تھا کہ اس نے اسرائیل سے 150 شہداء وصول کیے ہیں۔ ان میتوں کو انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس کے ذریعہ وصول کیا گیا۔ ان کی واپسی کے بعد ہی جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا ہے۔ اس کے علاوہ مزید 8000 افراد غزہ سے گم شدہ ہیں۔ ان کے بارے میں خیال کیا جا رہا ہے کہ یا تو یہ غزہ کی تباہ حال عمارتوں کے ملبے تلے دبے ہوئے ہیں یا اسرائیلی فوج نے ان کی بڑی تعداد کو بری طرح اجتماعی گڑھے کھود کر ان میں بے ترتیب دفن کر دیا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد کو غزہ سے باہر اسرائیل نے قید کر رکھا ہے۔ ان سب کی قسمت کا فیصلہ ہونا باقی ہے کہ یہ کہاں اور کس حال میں رکھے گئے ہیں۔

غزہ نے اب تک کراسنگ ایریاز کو بند کر رکھا ہے اور یہ علاقے سخت ناکہ بندی کی زد میں ہیں، اس لیے کسی قسم کی امداد، انسانی خدمت کے کاموں اور دیگر سہولیات کا پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ غزہ کے حکام کے پاس بھاری مشینری کا آنا بھی بند کر دیا گیا ہے۔ اس صورت میں لاکھوں ٹن ملبے کو ہٹا کر کہیں اور منتقل کرنا بھی ممکن نہیں رہا ہے اور جلد یہ کام ممکن نہیں ہے۔ یہ کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ساحلی تفریح گاہ بنانے والوں کے منصوبے سامنے نہیں آتے۔ اس ملبے میں لاشوں کی ایک تعداد ایسی ہے جو نہ صرف شناخت کے قابل نہیں رہی بل کہ ان کی ہڈیوں کے ٹوٹنے، بکھر جانے اور پورے پورے جسم تباہ ہو جانے سے ان کی صورت بہت گھمبیر ہو چکی ہے۔ ان کے خاندانوں کو ان کے بارے میں کسی نوعیت کی معلومات بھی فراہم نہیں کی جاسکتیں۔

اب ان کی قسمت کا فیصلہ ناصر میڈیکل کامپلیکس کے فرانزک ماہرین ہی کریں گے۔ خان یونس میں یہ طے ہوسکے گا کہ اکتوبر 2025ء تک ملنے والی لاشوں کا مستقبل اور شناخت کیا ہوسکیں گی۔

ان اجسام کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے جسموں کے بالائی حصے ان کی کہنیوں سے باندھے گئے ہیں۔ ان کے جسموں پر زخموں کے جگہ جگہ نشانات موجود ہیں۔ بعض لاشوں کو دیکھ کر ہی انداز ہو جاتا ہے کہ ان کو تیز دھار آلات، چاقوؤں یا خنجر نما ہتھیاروں سے جان بوجھ کر کاٹ دیا گیا ہے۔ غزہ میں فرانزک شعبہ کے ڈائریکٹر احمد ظہار کا کہنا ہے کہ بعض اجسام کے صرف انڈرویئر رہنے دیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ سب پورے پورے عریاں حالت میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان اجسام کو اسرائیلی فوج نے انتہائی ٹھنڈے حالات میں رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان کی شناخت کے عمل کو نہایت مشکل بنا دیا جائے، ان کا فرانزک معائنہ نہ ہوسکے۔ بہت سی لاشوں پر گولیوں کے نشانات ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی ہے۔ ان کی گردنوں کو رسیوں سے دبایا گیا ہے۔ بعض اجسام ایسے ہیں جن سے جنسی زیادتی کے ثبوت ملتے ہیں۔ بعض کو پھانسی دی گئی ہے۔ بعض اجسام کے محض استخوانی ڈھانچے باقی رہ گئے ہیں اور ان پر گوشت کا نشان بھی نہیں ہے۔

اسرائیل نے صرف 90 لاشوں کے ڈی این اے پروفائل جاری کیے ہیں۔ یہ ان 150 جسموں میں سے ہیں جن کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے۔ غزہ کی پٹی میں ڈی این اے کا جائزہ لینے کے سائنسی آلات بھی نہیں رہنے دیے گئے ہیں۔

اسرائیلی حکام نے کہا ہے کہ انہوں نے ڈی این اے کا تجزیہ بالکل ابتدائی طور پر کیا ہے جس میں جسم کی جسامت، عمر اور جسمانی اعضاء کے کٹے پھٹے ہونے کی رپورٹ تیار کی ہے۔ مرنے والے کے پاس کیا چیزیں تھی، شناختی کارڈ تھے یا نہیں، غزہ کے کس علاقے سے تھے، اس بارے معلومات درج کی گئی تھیں، جسم پر کہاں کہاں تل کے نشان تھے، کس حصے پر زخم آئے تھے وغیرہ۔

جنوری 2026ء تک 345 میتوں میں سے 99 کی شناخت کی جاسکی تھی۔ اکثر کے چہرے مسخ کردیے گئے تھے جس سے اسرائیلی فوج کی درندگی بے نقاب ہوتی ہے۔ لاشوں کی شناخت کے عمل کی ایک ویڈیو غزہ کی وزارت صحت نے تیار کی ہے۔

فرانزک ٹیمیں اپنے جائزے میں دیکھ رہی ہیں کہ موت کی وجہ کیا تھی، موت کتنے عرصہ قبل واقع ہوئی تھی، زخموں کی نوعیت کیا تھی؟

فوجداری شہادتیں جمع کرنے کی ٹیم بھی لاشوں پر کام کر رہی ہے۔ زخموں کی تصویریں لی جارہی ہیں، جسم کے عمومی معلومات پر مبنی پروفائل بنائے جارہے ہیں، کپڑوں کی نوعیت نوٹ کی جارہی ہے۔

یہ تصویریں بہت ہولناک ہیں۔ اس لیے انہیں دیکھنے والے انتہائی احتیاط اور ہمت سے کام لیں۔ یہ تصویریں وزارت صحت کی ایک ویب سائٹ پر اپ لوڈ کی جارہی ہیں۔ اس طرح کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کی شناخت کی جاسکے۔

اگر کوئی کسی جسم کی سناخت کرے تو اسے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ناصر میڈیکل کامپلیکس سے رابطہ کرے، جہاں سے میت ورثاء کے حوالے کردی جائے گی۔ اگر کسی میت کی شناخت نہ ہوسکے تو اسے اس طرح دفن کیا جائے گا جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو اور اسے کسی بعد کے وقت میں کوئی شناخت کرسکے تو ایسا آسانی سے ممکن ہوسکے۔

16 نومبر کو اسرائیل نے ثالثوں کی موجودگی میں ایک فہرست فراہم کی جس میں ان افراد کے نام تھے، جن کی تعداد 1468 تھی اور وہ گزشتہ دو سال میں گرفتار کیے گئے تھے۔

حماس نے الزام لگایا کہ اسرائیل گرفتار ہونے والوں کی اصل تعداد ظاہر نہیں کر رہا۔ حماس نے گم شدہ فلسطینیوں اور زبردستی نظر بند کیے گئے فلسطینیوں کی ایک فہرست جاری کی ہے جن کو گزشتہ دو سال میں اسرائیل نے گرفتار کیا تھا اور جن میں زبردستی غائب کیے گئے افراد کے نام اور کوائف بیان کیے گئے ہیں۔

اس رپورٹ کے علاوہ خاندانوں، اداروں اور ڈیٹا جمع کرنے والوں نے بھی گم کیے گئے افراد کی فہرستیں فراہم کی ہیں۔ ان معلومات کو جمع، مرتب اور ہر کسی کے لیے مہیا کیا گیا ہے تاکہ شناخت کے عمل میں کسی کو اپنے عزیز کی میت ملے تو اسے پورے احترام کے ساتھ دفن کیا جاسکے۔ ان معلومات کو منظم کرنے والوں کا ادارہ یہ بھی تعین کرتا ہے کہ کن فلسطینیوں کے بارے میں اسرائیل نے معلومات نہیں دی ہیں۔

اسرائیل تعداد کے بارے میں معلومات مہیا نہیں کر رہا۔ وہ گرفتار شدہ اور نظر بند افراد کی تفصیلات سے بھی آگاہ نہیں کرتا۔ یکم جنوری 2026ء کو قیدیوں کے حقوق کے گروپ نے بتایا کہ اسرائیل ابھی تک 9300 افراد کو ظاہر نہیں کر رہا۔ ان افراد کا ذکر اس کے پاس نظر بند افراد کی فہرست میں کیا گیا ہے۔ ان سب کو فوجی کیمپوں میں رکھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ 8 ہزار سے زیادہ غزہ کے لوگوں کو گھم شدہ یا غائب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تین وجوہات اور بھی ہیں جن کی بنیاد پر فلسطینی ادارے اور حماس اس گمشدگی کا دعویٰ کر رہی ہیں۔

اول، اسرائیلی فوج نے زکیم (Zikim) کراسنگ کے قریب ایک بڑی اجتماعی قبر کھودی ہے جس میں دفن کیے گئے افراد کی تعداد ظاہر نہیں کی گئی۔

دوم، بعض اجسام کو Decompose کردیا گیا یا ان کو Vaperized کردیا گیا ہے۔ ایک ایسی تعداد بھی اس اجتماعی قبر میں دفن کیا گیا ہے جن کی شناخت بری طرح مسخ کردی گئی ہے۔ بعض لاشوں پر بلڈوزر یا ٹینک چڑھا دیے گئے تھے۔ اس عمل کو لاشوں کو مکمل طور پر disrupt کرنا کہا جاتا ہے۔ کئی لاشوں کو تھرمل طریقے سے پگھلا دیا گیا ہے، جس سے ان کے جسم تقریباً ختم کردیے گئے ہیں۔ غزہ کی سول ڈیفنس کی 24 سالہ نور الشاغنوبی نے بتایا ہے کہ اس کے دو ساتھیوں کو تحلیل کردیا گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب ایک میزائیل براہ راست انہیں آکر لگا۔

سوم، تیسری وجہ یہ ہے کہ ییلو لائن کے پیچھے اسرائیلی فوج نے تقریباً نصف غزہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہاں کے ملبے کے نیچے کتنی تعداد میں فلسطینی زندہ دفن ہو گئے یا پھر اسرائیلی بمباری کے نتیجہ میں مستقل نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ 11 اکتوبر 2025ء تک کے محتاط جائزے کے مطابق 81 فیصد عمارتیں ملبے کا ڈھیر بنادی گئیں۔ ان میں سے 123,464 عمارتیں مکمل تباہ ہوگئیں۔ ان کی کل تعداد صحیح حالت میں 189,273 تھیں۔

اسرائیل کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے اس یکطرفہ کارروائی میں 6 کروڑ 10 لاکھ ٹن ملبہ پیدا کیا۔ اس ملبے سے سنٹرل پارک کے گرد 12 میٹر چوڑی چاردیواری بنائی جاسکتی ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں ملبہ ہے کہ اس میں سے زندہ دفن ہوجانے والوں کے اجسام نکالنے کا کام پیچیدہ اور لمبی مدت میں ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم کے خلاف کفر، جس شکل میں بھی ہو، کس قدر سفاک اور ظالم ہوتا ہے۔

اسرائیل اب بھی نسل کشی کر رہا ہے۔ اس نے حال ہی میں ایسی بھاری مشینری کو غزہ میں داخلے کی اجازت دی ہے جو تلاش کی آڑ میں ہزاروں ٹن مزید وزن اس کمزور ملبے پر ڈالے گا۔ مقصد پھر بھی یہی ہے کہ فلسطینی نہیں نکالے جائیں گے بل کہ اگر کوئی اسرائیلی یرغمالی اپنی غلطی سے وہاں رہ گیا ہے تو اسے نکالا جائے۔ اس کی فہرست کے مطابق سارے یرغمالی پہلے ہی ان کے حوالے کیے جاچکے ہیں۔

غزہ میں دو سال پہلے جس قدر بھاری مشینری موجود تھی، وہ پہلے ہی تباہ کی جاچکی ہے۔ غزہ سول ڈیفنس کے ساتھ کام کرنے والوں کا کہنا ہے کہ نسل کشی کے ابتدائی مہینوں میں ادارہ اپنے دبے ہوئے آلات اور مشینری نکالنے میں سخت مشکلات سے گزرا تھا۔ اس دوران میں اسرائیلی فوج ڈیفنس کے وئیر ہاؤسز پر مسلسل بمباری کرتی رہی تھی۔ اس کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ وہ شروع میں ہی ابتدائی نوعیت کے اوزار اور آلات استعمال کرنے پر مجبور کردیے گئے تھے۔

نسل پرستی کے ابتدائی ایام میں لوگ بار بار دردناک اپیلیں کرتے رہے تھے کہ ان کے پیارے ملبے تلے دب گئے ہیں، ان کو نکالنے میں ان کی مدد کی جائے۔ سول ڈیفنس کے کارکن دن میں آرام کرسکتے تھے اور نہ رات کو سکتے تھے۔ ہمیں تین تین دن مسلسل کام کرنا پڑتا۔ ہم ایک ایسے شیڈول کے مطابق کام کرنے پر مجبور تھے جس میں شفٹ سسٹم بنایا گیا لیکن اسے بھی بار بار تبدیل کرنا پڑتا تھا۔ پھر دیکھا جاتا کہ تباہ ہونے والا گھر سنگل سٹوری ہے یا زیادہ منزلوں کا ہے۔ 90 فیصد دبے ہوئے لوگ بے بس اور بے ہوش ملتے تھے۔ وہ کوئی آواز نکالنے پر بھی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ کارکن کوشش کرتے کہ مکمل خاموشی رکھی جائے تاکہ کہیں سے کراہنے کی صدا آئے تو اسے سنا جاسکے۔ بعض اوقات لوگوں کو بے بسی کے عالم میں ہی پایا جاتا۔ اب بھی بھاری مشینری اور آلات کی عدم موجودگی بہت مسائل پیدا کرتے ہیں۔

ہماری کوشش رہی کہ ملبے تلے دبے نوجوانوں کو پہلے نکالا جائے، دوسرے نمبر پر زیادہ عمر کے لوگ نکالے جائیں۔ بعض اوقات سارا ملبہ کنکریٹ کی صورت میں اوپر اور متاثرہ شخص نیچے ہوتا۔ اسی لیے سب کہتے ہیں: ”غزہ کو غائب ہونے سے بچایا جائے۔“

گردشِ ایام: حافظ عمر فاروق

غزہ: این جی اوز پر پابندیاں

غزہ فلسطینیوں کا گھر ہے۔ یہ گھر چار چار فٹ سرد موسم کی بارش میں یوں ڈوبا ہے کہ ماؤں نے تین تین سے زیادہ بچوں کو گود میں اُٹھا رکھا ہے۔ مائیں تو ڈوبی ہیں بچے بھی آدھے پونے پانی میں ڈوبے ہیں۔ ماں عبایا زیب تن کیے ہوئے ہے۔ دوسری طرف باپ کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کندھوں پر بھی اپنے بچوں کو اٹھا رکھا ہے۔ نسل کشی کا، ان کو قتل کرنے کا یہ صہیونی رویہ بہت ہی ظالمانہ ہے۔

اگر کہیں اونچی بلند جگہ ہے تو بے گھر، بے در لوگ خود کو گرم رکھنے کے لیے آگ جلائے اس کے اردگرد بیٹھے ہیں۔ پہلے اپنے ہاتھوں کو گرم کرتے اور پھر ان گرم ہاتھوں کو برف باری سے جمے اپنے جسموں پر ملتے ہیں۔ جو لوگ آدھے پونے بچ رہے تھے، ان پر صہیونیت کی بمباری جاری ہے، کہیں ہیلی کاپٹرز فائرنگ کر کے ان بے گناہوں کے گرم خون بہا رہیں ہے لیکن جس جسم سے یہ خون بہتا ہے، وہ خود تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے، کسی دوسرے کو جذبوں کی، رشتوں کی گرمی کے سوا کچھ دے نہیں سکتا۔

یہ سلسلہ دسمبر سے جاری ہے۔ قدرت بھی کمال بے نیاز ہے۔ جہاں پینے کو ایک بوند پانی میسر نہ تھا، پانی پینے کو تو اب بھی دستیاب نہیں ہے، البتہ ڈوبنے کو بڑی مقدار میں ہے۔

یوسف الجمال کا کہنا ہے کہ وہ 77 سالوں سے غزہ میں موجود امریکن فرینڈز سروس کمیٹی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ یہ ریلیف کی سرگرمیوں کو منظم کرتی ہے، فلسطینیوں پر مشتمل ہے۔ یہ اپنی ہی سرزمین سے بے دخل کیے گئے فلسطینیوں کی بحالی کا کام کرتی ہے۔

دو سال سے اس تنظیم نے بے گھر لوگوں کے لیے دس مہاجر کیمپ قائم کیے ہیں۔ یہ کیمپ الفلوجا، بریج، دیر البلاح، غزہ سٹی، جبالیہ، نصیرات، خان یونس اور رفاہ میں قائم کیے گئے ہیں۔ ان کیمپوں میں بے گھر فلسطینیوں کو خوراک، پناہ گاہیں اور سینی ٹیشن کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ انھی کیمپوں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

گزشتہ کئی عشروں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ کمیٹی نے لوگوں کو زراعت کی ترقی، چھوٹے بچوں کی تعلیم، انہیں بچپن سے ہی کوئی نہ کوئی ہنر سکھانے، خواتین مِڈ وائف کے طور پر تربیت فراہم کرنے، انسانی خدمت کے بہت سے امور سکھانے اور شدید تکلیف کی صورت میں سکون پہنچانے یعنی ٹراما ٹریننگ دینے کے کام سکھائے ہیں۔ جب سے اسرائیل نے اکتوبر 2023ء سے نسل کشی کی مہم شروع کر رکھی ہے، کمیٹی کے ارکان دس لاکھ کے قریب کھانے فراہم کر چکی ہے۔ خوراک کے پارسل تیار کیے جاتے ہیں، تازہ سبزیاں دی جاتی ہیں، ہائی جین کٹس اور دوسری ضروری اشیاء فراہم کی جاتی ہیں۔

1948ء کے بعد پہلی مرتبہ درجنوں دوسری تنظیموں کے ساتھ مسلسل اسرائیل کی جانب

سے حملے اور دھمکیاں برداشت کر رہی ہے کہ ان پر پابندیاں لگا دی جائیں گی، ان کو زندگی بچانے کی سرگرمیوں سے روکا جا رہا ہے، چھاپے مارے جا رہے ہیں، انسانی خدمت کے کاموں میں رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے، سامان کی فراہمی روک دی گئی ہے۔ ان اقدامات نے یہاں سے فائدہ اٹھانے والے فلسطینیوں کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ ایسے سنگین حالات میں ان تنظیموں کے کام کو ناممکن بنایا جا رہا ہے۔

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ غزہ میں نسل پرستی رک گئی ہے تو یہ واضح رہے کہ جنگ بندی کے باوجود بڑے پیمانے پر قتل عام جاری ہے۔ فضائی بمباری اور میزائیل برسائے جا رہے ہیں۔ غزہ میں نصف اور جزوی بچ رہنے والی عمارتوں کو زمین دوز کیا جا رہا ہے۔ 10 اکتوبر سے جنگ بندی کا اعلان ضرور کیا گیا ہے، اس کے باوجود اسرائیلی فوج وسیع پیمانے پر چھاپے مار رہی ہے۔ ان حملوں میں دیگر ہلاکتوں کے علاوہ ریلیف کے کام میں مصروف تنظیموں کے 450 ارکان مارے جا چکے ہیں جب کہ 1150 کو زخمی کیا جا چکا ہے۔

لوگ محض بموں، میزائیلوں اور فائرنگ سے ہی نہیں مارے جا رہے، بل کہ سخت موسم نقطۂ انجماد سے نیچے گر جاتا ہے، شدید بارشوں کا سلسلہ جاری ہے، سب ٹینٹ خیمے تباہ ہو چکے ہیں، حملوں کی شکار عمارتوں میں پناہ لینے والے اپنی جانوں کے رسک لے کر ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ جب ریلیف کا کام کرنے والی تنظیمیں ان کی مدد کو آتی ہیں تو ان پر بمباری کی جاتی ہے۔ بارش نے غزہ میں سینکڑوں ہزاروں عارضی پناہ گاہیں تباہ کر دی ہیں۔ ان حالات میں ادویات کی عدم فراہمی سے اب تک گردے کے امراض میں مبتلا 600 مرد و خواتین کو زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ اسرائیل عارضی شامیانہ قسم کے خیمے روک رہا ہے۔

ان تمام سرگرمیوں سے اسرائیل غزہ خالی کرانا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ غزہ کی زمین کو ضم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کام میں مصروف تنظیموں پر نئے قوانین کا اطلاق کیا جا رہا ہے۔ نئے کارکن بھرتی کرنے کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ انسانی خدمت کے ان چھوٹے چھوٹے اداروں کو خاموش کیا جا رہا ہے، ان کے سارے ڈھانچے تباہ کیے جا رہے ہیں۔ غزہ میں اسرائیلی فوج زندگی کو پہلے سے تباہ کر چکی ہے، اب وہاں رہنے کو ناممکن بنایا جا رہا ہے۔ غزہ کے لیے خود کو بحال کرنا نہایت مشکل بنا دیا گیا ہے۔ بحالی کے کام کرنے والے ہر فرد اور تنظیم کو ختم یا تباہ کیا جا رہا ہے۔

غزہ میں تعمیر نو کے آلات کا داخلہ ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ ناکہ بندی نے ان آلات پر قبضہ شروع کر رکھا ہے۔ اس صورت حال نے تعلیم کے شعبہ کو سخت متاثر کیا ہے۔ طلبہ و طالبات بکھر کر رہ گئے ہیں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی عمارات کو حماس کے کمان اینڈ کنٹرول سنٹرز قرار دے کر بری طرح تباہ کر دیا گیا ہے۔

غزہ میں کام کرنے والی تنظیموں میں نمایاں نام ڈاکٹرز وِد آؤٹ بورڈرز، ورلڈ سنٹرل کچن، انٹرنیشنل ریسکیو کمیٹی، آکسفام، اسلامک ریلیف ناروجین رفیوجی کونسل کے ہیں۔ ان کے علاوہ میڈیسن سینٹر فرینٹیئرز، انٹرنیشنل میڈیکل کورز میڈیکل ایڈ فار فلسطینیز، یوکے۔ میڈ، ڈاکٹر آف دی ورلڈ، ایکشن ایگنسٹ ہنگر، مرسی کورز، انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس، پلان انٹرنیشنل، یونیسیف، سیو دی چلڈرن، وار چائلڈ الائنس، کیتھولک ریلیف ورلڈ وائیڈ وغیرہ شامل ہیں۔

ہم نے بات یوسف الجمال سے شروع کی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے اے ایف ایس سی کی سرگرمیوں کے بارے میں سب سے پہلے احمد الحاج نے بتایا تھا۔ وہ 1948ء سے اپنے بچپن سے کام کر رہا تھا۔ اس کی جنوری 2029ء میں غزہ سٹی میں وفات ہوئی۔ جب یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس نے ساری زندگی ایک مہاجر کے طور پر گزار دی تو دل ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اسے 1948ء میں ہونے والے وہ قتل عام بھی نہیں بھولے تھے جو اسرائیل نے تب کیے تھے۔ اس کی وفات محاصرے اور بمباری کے دوران میں ہوئی تھی۔ جب وہ زخمی ہوا تو اس کے علاج کے لیے درکار ادویات نہیں تھیں۔

احمد کی 2024ء کی کہانی اس کے 1948ء کے دنوں کی کہانی سے مختلف نہیں تھی۔ اس وقت وہ 16 برس کا تھا اور اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ جب وہ اپنے کیمپ میں تھا تو اسے اسرائیلی فوج نے ننگے پاؤں غزہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ صرف مہ و سال تبدیل ہوئے تھے۔ اور کچھ بھی تو بدلا نہیں تھا۔ وہ کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، اس کا کوئی گھر نہ تھا۔ وہ ایک متروک زندگی جیتا رہا اور بے بسی کی حیات میں ہی مر گیا تھا۔

احمد کی کہانی صرف یہ نہ تھی کہ انہیں بے گھر ہونا پڑا تھا۔ ان کی کہانی اپنی سرزمین سے، اپنے گاؤں اور اپنے گھر سے محبت کی کہانی تھی۔ وہ غزہ میں اپنے کرائے کے مکان میں رہائش پذیر رہے۔ آخر میں انہیں مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنے والدین کے گھر سے بے گھر ہو گئے۔ احمد کہتے تھے کہ ملکیت چھوڑنا کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے گھر کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ انہوں نے آخری وقت تک اپنا گھر چھوڑنے سے انکار کیا۔ وہ کرایہ دار تھے اور آخری وقت تک کرایہ دار ہی رہے۔

جن فلسطینیوں نے غزہ کو اپنے گھر کے طور پر چن لیا وہ آخر دم تک اسی کو گھر سمجھتے رہے۔ آگ جلتی رہی اور لوگ بھی جلتے رہے لیکن راہ فرار اختیار نہیں کی۔ وہ محاصرے میں رہے، اپنے گھر سے نکالے گئے، لیکن اسے ترک نہیں کیا۔ وہ اپنے دوست رفعت العریر کے ہمراہ رہے۔ رفعت العریر غزہ کے کہانی نویس تھے۔ وہ اپنے لوگوں کے دکھ درد بیان کرتے رہے، بے گھر ہونے کی کہانیاں لکھتے رہے۔ حتیٰ کہ موت نے ان کو آ لیا۔ 6 دسمبر 2023ء ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔

احمد کی طرح رفعت کو بھی محبت کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ زمین سے ان کی محبت دل کی دل سے محبت ثابت ہوئی۔ ان کی نظم ''اگر مجھے لازمی مرنا ہوا'' غزہ سے ان کی محبت کا استعارہ بن گئی۔ ان کا یہ پیغام پورے غزہ میں پھیل گیا۔ پھر یہ اور پھیلا تو عالمگیر ہو گیا۔

1948ء میں غزہ ایک بڑا علاقہ تھا جس میں 34 گاؤں تھے۔ ان میں سے ایک احمد کا گاؤں تھا، اس کے باپ دادا کا گھر تھا۔ غزہ محض ایک تنگ سی پٹی کا نام نہیں تھا۔ لوگوں کا اس جگہ کے بارے میں تصور بہت وسیع تھا۔ گاؤں در گاؤں پھیلا ہوا، ہرے بھرے کھیت، پھر غزہ سکڑتا گیا۔ وہ کبھی فلسطین کا سب سے بڑا علاقہ تھا۔ بعد میں 555 مربع کلومیٹر (215 میل) تک محدود ہو گیا۔ ایک بار پھر یہ سکڑا اور 365 مربع کلومیٹر یعنی 140 مربع میل رہ گیا۔

آج نصف سے زیادہ غزہ اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ اب یہ ییلو لائن کے اندر محدود ہے۔ یہ غیر علانیہ سرحد ہے۔ اس لائن کو عبور کرنے والے فلسطینی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ غزہ کو حقیقت میں ہڑپ کر لیا گیا ہے۔

میڈیا واچ: ابوعبداللہ

غزہ: نسل کشی بھول جائیں، ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے

امریکہ کے سابق سیکرٹری آف سٹیٹ مائیک پومپیو نے کہا ہے کہ دنیا بھول جائے غزہ میں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہے کہ مستقبل میں تاریخ کی کتب لکھنے اور تعلیمی اداروں میں غزہ کی نسل کشی کا ذکر بھی نہ کریں۔ اسے ماضی کا گم گشتہ، باب کے طور پر فراموش کر دیا جائے۔ یہ بات کرتے ہوئے وہ یقیناً کہہ رہے ہیں کہ ہولوکاسٹ سراسر پروپیگنڈہ اور جھوٹ تھا۔ تب بھی مستقبل میں غزہ پر لکھنے والا ضرور لکھے گا کہ غزہ میں انسانی تاریخ کا بدترین قتل عام ہوا تھا جس میں گیس جمپرز استعمال نہیں کیے گئے بل کہ میزائل بم، راکٹ اور سیدھی فائرنگ کا استعمال کیا گیا، نوزائیدہ بچوں کے حلقوم نہ صرف کاٹے گئے بل کہ ان کی ویڈیو فلمیں بھی بنائی گئیں۔

مائیک پومپیو جب یہ بات کہہ رہے تھے، وہ 13 جنوری 2025ء کو اسرائیل حامی تنظیم دی میر یام انسٹی ٹیوٹ (Mir Yaam Institute) میں خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ جس انداز سے اس جنگ کی دستاویز بندی کی گئی ہے، وہ ظاہر کرے گی کہ اسے کس طرح سے یاد رکھا جائے گا۔ اس لیے یہ بہت اہم اور ضروری ہے کہ غزہ جنگ اور فلسطینیوں کے قتل عام کو اس طرح سے ہرگز یاد نہ رکھا جائے، جس طرح یہ سب کچھ ہوا تھا۔

جس انسٹی ٹیوٹ میں وہ خطاب کر رہے تھے، اس میں ان ماہرین کو جمع کیا گیا تھا جن پر ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے کہ وہ غزہ جنگ کو کس طرح بیان کیا جائے اور اسے کیوں کر ایک بھولا بسرا معمولی واقعہ بنا کر پیش کیا جائے۔ یہ سب کچھ اس انسٹی ٹیوٹ کی ویب سائٹ پر بیان کیا گیا ہے۔ اس ادارے کا سربراہ بنجمن انتھونی ہے جو اسرائیلی فوج میں مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینیوں کے خلاف کئی دفعہ فوجی کارروائیوں میں باقاعدہ شریک رہا ہے۔

پومپیو نے جو کچھ کہا ہے اس کا مقصد یہ رہا ہے کہ اس جنگ میں بالخصوص اور مغربی کنارے مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں فلسطینیوں کے قتل عام سے لے کر ان کے کرب انگیز مسائل و معاملات کو تاریخ کا حصہ نہ بننے دیا جائے تا کہ اس سفا کی اور درندگی پر مکمل پردہ پوشی کی جائے جس سے فلسطینی گزرے اور گزر رہے ہیں۔ ان علاقوں میں جس درجے کی تباہی مچائی گئی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ہولوکاسٹ میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ اسے اس قدر بڑا بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے کہ اس کے خلاف بات کرنا بھی ابھی تک کئی یورپی ممالک میں باقاعدہ جرم ہے۔

غزہ میں جنگ کے دوران میں جو کچھ ہوا ہے، اسے اقوام متحدہ، بین الاقوامی عدالت برائے فوجداری جرائم اور نسل کشی Genocide کے تمام ماہرین نے تاریخ کا بدترین قتل عام اور تباہی قرار دیا ہے۔ اس جنگ میں شہید کیے گئے فلسطینیوں کی تعداد بین الاقوامی اداروں نے اب تک 71,400 قرار دی ہے۔

مائیک پومپیو کے خیالات ان حالات میں سامنے آئے ہیں جب انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں، اقوام متحدہ کے اداروں، خود سیکرٹری جنرل گوتریس، صحافیوں نے بار بار دستاویزی طور پر ثبوت دے کر رپورٹیں تیار کی اور دی ہیں جن میں بہت بڑے پیمانے پر بتایا گیا ہے کہ شہری آبادی کو بری طرح قتل کیا گیا ہے، لاکھوں افراد (20 لاکھ سے زیادہ) کو بے گھر کیا گیا ہے۔ غزہ میں انسانیت عملی طور پر تباہ کی گئی ہے۔

''غزہ میں وسیع پیمانے پر متاثرین ہیں، شہری ہلاکتوں کی تعداد اندازے سے باہر ہے۔ اب تک جتنی جنگیں ہوئی ہیں اتنے چھوٹے سے علاقے میں ہلاکتوں کی تعداد گنتی سے باہر ہے۔'' یہ خود مائیک پومپیو کے خیالات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ فلسطینی نہیں تھے بل کہ یہ اسرائیلی تھے۔ ان پر جارحیت کا ارتکاب ایران نے کیا ہے۔ اس کے یہاں ایجنٹ حماس کے نام سے جمع تھے۔ تاریخ کا ایسا بیان خود ایک قتل عام ہے جس میں ساری ہلاکتوں کا ذمہ دار پومپیو نے حماس کو قرار دے کر تاریخ کا رخ موڑنے کا راستہ اپنے مؤرخین کو دکھایا ہے۔ اس سے بڑا اور سنگین قتل عام تاریخ اور سچائی کا اور کیا ہو سکتا ہے۔

مبصرین، نقاد اور ماہرین نے پومپیو کے بیان پر اپنی تنقید میں کہا ہے کہ یہ ایک ایسی بڑی ڈھٹائی ہے جس کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ امریکہ اور اسرائیل تو بالکل معصوم ہیں۔ اس طرح سے ایک بیانیہ تیار کیا جا رہا ہے تا کہ آنے والی تاریخ کے حقیقی بیانیے کو کنٹرول کیا جائے، اس کے برعکس بیانیہ تیار کیا جائے اور حقیقت کو بے حیثیت کر دیا جائے۔ اس طرح آنے والی تاریخ کا بیانیہ اسرائیل کے حق میں ہوگا۔ فلسطین کو ''کھڈے لائن'' لگا دیا جائے گا اور امریکہ کو ایک اصلاح کار کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ جب کہ حماس اور دیگر تنظیموں کو جارحیت کے مرتکب اور ظالم قرار دے دیا جائے گا۔

پومپیو کے یہ ریمارکس جنگل کی آگ کی طرح سوشل میڈیا پر وائرل ہو گئے ہیں اور ان ریمارکس کو حقیقت جھٹلانے، جرائم پر پردہ ڈالنے اور جھوٹا بیانیہ تیار کرنے کی بے باک جسارت قرار دیا جا رہا ہے۔ ان ریمارکس کو انسانی حقوق کے اداروں اور تنظیموں نے شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان اداروں نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ صرف پومپیو کا بیان نہیں ہے بل کہ امریکہ اور اسرائیل سنگین انسانی جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد اب کوشش میں ہیں کہ تاریخ کا دھارا موڑا جائے، حقائق کو جھٹلایا جائے۔

یہ کوشش اس لیے کی جا رہی ہے تا کہ اسرائیل اور امریکہ کے مشترکہ جرائم کو چھپایا جائے بل کہ بین الاقوامی عدالت کے فیصلوں کا مذاق اڑایا جائے۔ فلسطینی صحافی معتصم اے دلول نے کہا ہے: ''یہ دراصل نسل کشی جاری رکھنے کے لیے مزید ماحول اور جواز پیدا کر رہے ہیں۔ ان کی جانب سے جنگ بندی کے باوجود حملوں پر دنیا کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے ایکس (X) پر لکھا ہے کہ اسرائیل نے نسل کشی روکی نہیں ہے۔ یہ جاری ہے۔ اب اس کی نوعیت اور رفتار تبدیل کر دی گئی ہے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ مائیک پومپیو نے غلط بیانی کی ہے اور ان کی یہ غلط بیانی اخبارات کی شہ سرخی بنی ہے۔ وہ اس سے قبل بھی اسرائیلی قابض فوج کے حق میں بیانات دے چکے ہیں۔ انہوں نے نومبر 2024ء میں ایک ویڈیو بیان جاری کیا تھا جس میں وہ اسرائیلی فوجیوں کے ہمراہ رقص کر رہے تھے۔ فروری 2024ء میں بھی ان کی ایک ویڈیو جاری کی گئی تھی۔ اس میں وہ اپنی بیوی کے ہمراہ فوج کے ایک ایسے مرکز کا دورہ کر رہے تھے جہاں فوجی لطف اٹھاتے اور رقص کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ فوجی تھے جو غزہ سے واپس آئے تھے اور انہیں ریلیف دیا جا رہا تھا۔ ان سے خطاب میں پومپیو نے صاف الفاظ میں کہا تھا، ''ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

بہت سے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ان کے بیانات کو حقیقت سے نظریں چرانے کا عمل قرار دیا۔ سوشل میڈیا استعمال کرنے والے ایک فرد نے کہا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جو مسیحیوں اور فلسطینی مسلمانوں سے اپنی نفرت چھپاتے بھی نہیں ہیں اور نہ نسل کشی کو کوئی جرم سمجھتے ہیں۔''

نسل کشی جاری رہے گی

ماہا حسینی نے غزہ سٹی سے 15 جنوری کو لکھا کہ جنگ بندی اس حال میں ہوئی ہے کہ اب بھی بے شمار بم غزہ پر گرائے جا رہے ہیں۔ اب بھی نجات سید الحسینی کا جسم سرطان میں مبتلا ہے۔ یہ 61 سالہ فلسطینی ہے اور اسے اپنے سرطان کا علاج کرانے کے لیے غزہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ 27 مہینوں سے اس مہلک بیماری کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اسے کسی طرح کا علاج یا ادویات میسر نہیں ہیں۔

سرطان میں مبتلا کسی بھی مریض کے لیے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا ہے۔ ماہا حسینی کو ایک خاتون نے بتایا کہ اس کا کینسر اب کسی بھی چیک اپ کے بغیر خراب ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ 7 اکتوبر 2023ء کو اسے رام اللہ ایک ہسپتال جانے کا کہا گیا تھا لیکن اسے جانے نہیں دیا گیا۔ وہ اب بھی اپنے بنائے ٹینٹ خیمے میں دیر البلاح میں رہنے پر مجبور ہے۔

جنگ بندی کے باوجود غزہ سے کسی کو طبی بنیادوں پر بھی باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ سے تباہ حال ہسپتالوں میں ایسے امراض کا علاج ممکن نہیں ہے۔ الحسینی کا کہنا ہے کہ مرض میرے جسم میں پھیل رہا ہے اور اس کے اثرات میری زندگی کا چراغ بدستور گل کرتے جا رہے ہیں۔

اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جنگ بندی کے باوجود تین مہینے گزرنے کے نتیجے میں لاکھوں فلسطینی سست رفتار موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ کافر سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا ثبوت غزہ میں روزانہ سامنے آتا ہے۔ اسرائیل کی طرف سے غزہ کی انسان کش ناکہ بندی نے زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ امریکہ یورپ اور عرب ممالک یہ سب ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں کہ وہ رفح کراسنگ ہی کھلوا دے۔

الحسنی جیسے مریضوں کی تعداد غزہ میں اس وقت 11,000 سے زیادہ ہے۔ ان میں سے 3500 مریضوں کو ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ ان کا علاج غزہ میں نہیں ہو سکتا۔ انہیں باہر یا کم از کم مغربی کنارے کے ہسپتالوں میں جانا ہوگا۔ اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ اس تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت سے مریض ایسے ہیں جن کو 6 ماہ قبل کہہ دیا گیا تھا کہ ان کا علاج غزہ میں ممکن نہیں ہے۔ وہ رام اللہ یا دوسرے علاقوں میں جائیں۔

الحسنی کا کہنا ہے کہ چھ ماہ پہلے ایک ڈاکٹر نے مجھے کہہ دیا تھا کہ کینسر میرے پھیپھڑوں تک پہنچ چکا ہے اور تم آہستہ آہستہ موت کے منہ میں جا رہی ہو۔

غزہ کینسر سنٹر کی ڈاکٹر محمد ابوندا نے بتایا کہ اس وقت غزہ میں کینسر ادویات کی کمی 70 فیصد سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اسرائیلی حکام غزہ میں ادویات کی فراہمی مسلسل روک رہے ہیں۔ 30 فیصد مریضوں کی کیفیت انتہائی خراب ہے۔ ہر کینسر مریض کو 3 طرح کی ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک یا دو قسم کی ادویات دستیاب ہوتی ہیں۔ دوسری ادویات ملتی ہی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ابوندا کا کہنا ہے کہ اس طرح دوسری ادویات بھی بے فائدہ

ہوجاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تینوں قسم کی ادویات ملتی ہیں تو فائدہ دیتی ہیں۔

ڈاکٹر ابوندا کا کہنا ہے کہ ان ادویات کی نے اموات کو دو سے تین گنا بڑھا دیا ہے۔ جنگ سے پہلے ایک یا دو کینسر کے مریض ہلاک ہوتے تھے۔ اب روزانہ دو سے تین مریض فوت ہو جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ کینسر کے علاج کی ساری ادویات دستیاب نہیں ہوتیں، اسی لیے ایسے مریض موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ یہ بھی سفاکانہ قتل ہے جو غزہ کی ناکہ بندی سے فلسطینی مریضوں کا روزانہ ہو رہا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح موت کے منہ میں جانے والے صرف کینسر کے مریض ہی نہیں ہیں۔ پوری آبادی اس صورت حال سے دو چار ہے۔

تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح کہیں زیادہ ہے۔ان موت کے منہ میں جانے والوں کی شرح میں 75 فیصد تک اضافہ ہوا ہے۔ تین بچوں کے باپ ابو رفیق عبید کا کہنا ہے کہ ہم اب بھی نسل کشی کے دور میں رہ رہے ہیں۔نوعیت تبدیل ہوگئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جولائی 25ء سے ستمبر 25ء کے درمیانی عرصے میں 47 نوزائیدہ بچے موت کا شکار ہو گئے۔ یہ تعداد ہر مہینے کی ہے۔اس قدر بڑی شرح کی کئی وجوہات ہیں۔

ابو رفیق عبید نے بتایا کہ فوج کے حملوں میں کمی ضرور ہوئی ہے لیکن فائرنگ مسلسل جاری ہے۔ درجنوں خاندان زبردستی ان کے تباہ شدہ گھروں سے بھی نکالے جا رہے ہیں۔ 10 اکتوبر کو جنگ بندی کے بعد بھی کم از کم 449 فلسطینی مارے جا چکے ہیں جب کہ 1264 زخمی ہو چکے ہیں۔

یونیسیف کا کہنا ہے کہ اس کے پاس دستیاب ریکارڈ کے مطابق جنگ بندی سے اب تک کے عرصے میں 100 بچے مارے گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ایسی جنگ بندی ہے جو بچوں کو مار رہی ہے۔ ابو رفیق عبید کا کہنا ہے کہ: ’’میں اب بھی خوفزدہ ہوں، بم باری جاری ہے۔ یہ صرف مشرقی حصوں میں جاری ہی نہیں ہے بل کہ شہر کا وسط بھی اس کا بار بار نشانہ بنتا ہے۔‘‘

ابو رفیق عبید کا گھر شجاعیہ میں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب شور کم ہوتا ہے لیکن ہم، ہمارے دوست اور اقرباء مسلسل مر رہے ہیں۔ ہم پر بمباری ہو رہی ہے۔ ابھی جنگ بندی ہے لیکن اسرائیلی فوجی بلا اشتعال فائرنگ کر دیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے کھیل اور مشغلہ ہے۔ وہ ہم لوگوں کو مارتے ہیں اور پھر رقص کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مرنے پر جشن مناتے ہیں۔

اسرائیلی فوج نے اپنی مرضی سے ییلو (Yellow) لائن لگا دی ہے۔ اس طرح اس علاقے کو فلسطینیوں کے لیے نو گو ایریا بنا دیا گیا ہے۔ یہ فلسطینیوں کو ایک بڑے علاقے میں شمال، جنوب اور مشرق کی سمت میں جانے سے روکتی ہے۔اسے آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بڑھا دیا گیا ہے۔اس طرح اب یہ لائن بندرگاہ کی طرف سے 60 فیصد علاقے کو غزہ سے جدا کر رہی ہے۔ عبید کا کہنا ہے کہ اس لائن کے قریب سے میرے بعض عزیز و اقارب فائرنگ سے بچتے ہوئے ہم تک کسی طرح پہنچے ہیں۔ لیکن مہینہ پہلے وہ اپنے علاقوں سے فرار ہو کر ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ لائن بدستور اندر کی سمت بڑھائی جا رہی ہے جس سے اپنے گھروں تک جانا بڑی تعداد کے لیے ممکن نہیں رہا ہے۔

فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل اس کوشش میں ہے کہ اس لائن میں تبدیلیوں کے ذریعہ غزہ کو گرین اور ریڈ زون میں تبدیل کر دیا جائے۔

گارڈین کا بھی یہی کہنا ہے کہ امریکہ بڑی دیر سے یہ کوشش کر رہا ہے کہ غزہ کو ریڈ زون اور گرین زون میں تبدیل کر دیا جائے۔

اب مبینہ منصوبہ یہ ہے کہ فلسطینی زبردستی مجبور کر دیئے جائیں گے کہ انہیں گرین زون تک محدود کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ یہ پرانا امریکی منصوبہ ہے۔ اس نے عراق میں نو فلائی زون بنانے، لیبیا میں، سوڈان میں اور بوسنیا ہرزی گووینا میں ایسے زون بنائے اور پھر اپنے منصوبوں پر کام کیا۔

گرین زون غزہ میں فلسطینیوں کو محدود تعمیرات کی اجازت دی جائے گی۔ اس زون میں کچھ بہتر رہنے کے مواقع دیے جائیں گے۔ ریڈ زون کو سیٹ لائن کے ساتھ ساتھ کا علاقہ ہوگا جسے نسبتاً بنجر اور بے آباد چھوڑ دیا جائے گا۔ اسرائیل غزہ میں تعمیراتی آلات اور سامان کو حسب ماضی جانے نہیں دے گا۔ ان علاقوں میں تعمیراتی سرگرمیاں نہیں ہونے دی جائیں گی۔ بین الاقوامی استحکام فورس اس پر عمل کرائے گی۔ امریکی فوج اس کی نگرانی کرے گی۔۔ اس کے باوجود 15 لاکھ کے قریب فلسطینی بے گھر رہیں گے۔ انہیں کسی نوعیت کی تعمیر نو سے زبردستی روکا جائے گا۔ کسی قسم کی انہیں تعمیرات کی اجازت نہیں دی جائے گا۔ کسی قسم کی انہیں تعمیرات کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس آبادی کے ٹینٹ نما خیمے تیسرے سرد موسم نے پہلے ہی تباہ کر دیے ہیں۔

اس مرتبہ موسم سرما زیادہ شدت سے آیا ہے۔ ایک بیوہ اور تین بچوں کی ماں راجہ جندیہ نے اسی سکول میں اپنا ٹینٹ لگایا ہے جہاں سے ابو رفیق عبید کو نکالا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بارش اس بار بہت تیز ہے اور طوفان بار بار آ رہے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ہمارے خیمے اب پھٹ چکے ہیں۔ ہم دو سال سے بے گھر کیے جا رہے ہیں۔ مسلسل بھوک اور بیماری نے ہماری سب کی صحت تباہ کر دی ہے۔

گزشتہ دو ماہ سے بارشی طوفان آ رہے ہیں۔ اس سے ہزاروں ٹینٹ تباہ ہوئے ہیں۔ کمزور اور تباہ حال عمارتیں گر گئی ہیں۔ ہر وقت بارش جاری ہے جس کی وجہ سے سب کو جاگنا پڑتا ہے کیوں کہ بارش کے طوفان نے ٹینٹوں میں بیٹھنے اور لیٹنے کو خواب کر دیا ہے۔ ان حالات نے 51 افراد کی جانیں لے لی ہیں۔ بچوں کو گود میں اٹھا کر 24 گھنٹے کھڑے رہنا بھی ایک عذاب کی صورت حال ہے۔

اسرائیل خوراک اور دیگر اشیاء کو تو بند کر ہی رہا ہے، اس نے عالمی تنظیموں پر پابندیاں لگا دی ہیں۔ ان کی رجسٹریشن کے طریقہ کار کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے، نئی شرائط عائد کر دی ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے سٹاف ممبرز کی مکمل تفصیلات فراہم کریں۔ جس نے کبھی بھی فلسطینیوں کے ساتھ کام کیا ہے، اسے داخلے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ اس طرح درجنوں تنظیموں کو غزہ میں کام کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

غزہ کے رہائشی کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو کام کرنے نہیں دیا جا رہا بل کہ اصل بات یہ ہے کہ غزہ میں بھوک کا مصنوعی قحط ہر حال میں مسلط رکھا جا رہا ہے تا کہ یہ آبادی کسی بھی طرح بحالی کی طرف نہ جا سکے۔

اسرائیل نے غزہ کی 80 فیصد زرعی زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ 95 فیصد ماہی گیری ختم کر دی ہے۔ اگر کوئی ماہی گیر سمندر میں نظر آتا ہے تو اسے مار دیا جاتا ہے یا نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے غزہ میں خوراک کے ذخائر اہل غزہ کی پہنچ سے بہت دور کر دیے ہیں جس سے بھوک بہت زیادہ تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ اسرائیل کا غزہ پر قبضہ اسے کسی صورت بحال ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس کی بڑی مثال ماہی گیری پر مکمل پابندی ہے۔

براہ راست رپورٹ: ضیاء چترالی

غزہ سے وینزویلا تک قدرتی وسائل پر قبضے کے لیے ٹرمپ کیوں ہلکا ہو رہا ہے؟

انسانیت سے عاری عالمی اوباشوں کے لیڈر ڈونلڈ ٹرمپ کی وسائل پر قبضے کی لالچ امریکیوں کو کہاں کہاں ذلیل ورسوا کرے گی

صدر امریکہ ڈونلڈ ٹرمپ کی پالیسی ہمیشہ سے معاشی مفادات کے اصول پر مبنی رہی ہے۔ دولت اور طاقت کی جستجو۔ تیل، گیس، معدنیات، یا قیمتی دھاتیں ہوں، تجارت، اسٹاک مارکیٹس، سونے، چاندی، نایاب وسائل اور عالمی معاہدوں کے میدان میں اس کی دلچسپی کسی انسانی ضرورت سے نہیں بلکہ تجارتی اور سیاسی مفاد پر مرکوز ہے۔ ٹرمپ کو دنیا کے ان علاقوں کی پہچان ہے جہاں زیر زمین دولت چھپی ہوئی ہے اور وہ ہمیشہ انہی وسائل کو اپنے منصوبوں کے لیے نشانہ بناتا ہے۔

امریکہ کی سیاہ تاریخ دوسرے ممالک کے وسائل پر قبضے کی خونی وارداتوں سے بھری پڑی ہے۔ امریکہ نے سیکڑوں ممالک اور خطوں میں ایسی کارروائیاں انجام دیں جن کے پس پردہ وہاں کے وسائل کی لوٹ مار تھی۔ مگر حقائق بتاتے ہیں کہ 1950ء کے بعد دوسرے ملکوں کے وسائل ہتھیانے کے لیے امریکی شب خون کی کل کارروائیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ 1954ء میں گوئٹے مالا میں CIA نے منتخب حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد کی کیونکہ حکومت نے امریکی کمپنی (United Fruit Company) کے زرعی اراضی منصوبوں کو چیلنج کیا تھا۔ امریکہ نے 'یو ایف سی' فرم کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے گوئٹے مالا کی حکومت کا تختہ ہی الٹ دیا تھا۔

1953ء میں امریکی CIA اور برطانیہ نے ایرانی وزیراعظم محمد مصدق کو اقتدار سے ہٹایا۔ کیوں کہ مصدق نے ایرانی تیل کی صنعت کو قومیانے کا اعلان کیا جسے امریکہ نے اپنے تیل کے مفادات کے خلاف قرار دے کر ایرانی حکومت ختم کر کے شاہ محمد رضا پہلوی کو اقتدار سونپ دیا، آج ایک بار پھر ایران میں حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے امریکہ، اسرائیل اور دیگر عالمی طاقتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں کیونکہ ایران کی موجودہ حکومت انہیں ایرانی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہیں دے رہی۔

امریکہ نے عراق پر حملہ کیا اور طویل عرصے تک وہاں موجود رہا۔ اس جنگ کے بارے میں بہت سی آزاد تحقیق اور مباحثے میں کہا گیا ہے کہ تیل وسائل اور طویل المعیاد سٹریٹیجک مفادات امریکہ کے فیصلوں میں ایک اہم کردار تھے۔

کارٹر ڈاکٹرائن (1980)

اس پالیسی نے واضح طور پر کہا کہ تیل محفوظ رکھنے کے لیے امریکہ کو خلیج فارس میں فوجی اثر و رسوخ برقرار رکھنا چاہیے۔

امریکہ نے تاریخ میں 1798ء سے 2026ء سیکڑوں فوجی مداخلتیں کی ہیں۔

ان میں سے بیشتر اقتصادی مفادات جیسے تیل یا قیمتی معدنیات ایک محرک عنصر رہے ہیں، مثلاً گوئٹے مالا، عراق، حالیہ وینزویلا میں کارروائی کے پس پردہ وسائل کی لوٹ مار کا بنیادی محرک کارفرما ہے۔

جوئے باز ٹرمپ کا تجارتی وسیاسی پس منظر

ٹرمپ نہ صرف ایک تجربہ کار کاروباری ہے بلکہ اقتصادی ماہر، کامیاب رئیل اسٹیٹ سرمایہ کار، جوا باز اور بڑے ہوٹلوں، کمپنیوں اور جائیدادوں کا مالک بھی ہے۔ اس کی پوری زندگی سرمایہ کاری، تجارتی سودوں اور عالمی اقتصادی معاملات میں گھری ہوئی ہے۔ ایسے حالات میں ٹرمپ کا وژن واضح ہے: وہ دنیا کے ممالک کی دولت کو نچوڑ کر اپنے اور امریکہ کے مفادات میں استعمال کرے، ان پر دباؤ ڈالے، انہیں بلیک میل کرے اور ان کے وسائل پر قبضہ کرے۔

ٹرمپ اور اس کی انتظامیہ نے ماضی میں خلیج (فارسی) کے ممالک کو بلیک میل کیا، ان کے خزانے خالی کیے اور غیر منصفانہ معاہدے ٹھونسے۔ یوکرین کے بحران میں اس نے امریکی فوجی امداد کو اس کی قیمتی معدنیات کے تبادلے سے مشروط کیا۔ اسی طرح اس نے

بین الاقوامی سیاست اور تجارتی تعلقات میں طاقت اور دباؤ کے ذریعے اپنی مرضی منوائی۔

غزہ کے لیے امریکی طمع

ٹرمپ نے کئی بار اعلان کیا کہ وہ غزہ کی پٹی پر اپنا کنٹرول قائم کرے گا اور اسے دوبارہ تعمیر کرے گا تاکہ یہ "مونا کو مشرق" یا "ریویرا" بن جائے۔ مگر اس کی نظر کبھی بھی غزہ کے مصیبت زدہ عوام پر نہیں تھی۔ امریکی ہتھیار اور قابض اسرائیل کے جدید طیارے اور میزائل جو غزہ کی تباہی کے لیے استعمال کیے گئے، اس بات کا ثبوت ہیں کہ ٹرمپ کی پالیسی انسانی نہیں بلکہ صرف مفاد پر مبنی ہے۔

دولت کے پیچھے انسانیت کی قیمت

دنیا کے نقشے پر جہاں بھی دولت چھپی ہے، وہاں انسانی جانیں محض ایک قیمت کے طور پر دیکھی گئی ہیں۔ انکل سام امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے لئے سونا، تیل، گیس اور معدنیات صرف تجارت کے اوزار ہیں، ٹرمپ اور نیتن یاہو جیسے اوباشوں اور ننگ آدمیت کے لیے انسان صرف اعداد و شمار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

غزہ کی پٹی میں لاکھوں فلسطینی بچوں، عورتوں اور بزرگوں کی جانیں، ان کے گھر، سکول، ہسپتال، سب امریکی لالچ اور قابض اسرائیل کے سفاک ہتھیاروں کے سامنے بے بس ہو کر ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ وہی غزہ ہے جس کے آسمان پر امریکی فراہم کردہ جدید طیارے اور میزائل برسائے جا رہے ہیں اور جس کی مٹی کے نیچے چھپی دولت کے لیے امریکیوں کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔

غزہ کی پٹی: انسانی المیے کی روزانہ کی داستان

غزہ کی پٹی میں ہر دن ایک نئی قیامت کا آغاز ہوتا ہے۔ اسرائیلی میزائل، بمباری اور فضائی حملے عام زندگی کو کسی قیامت خانے میں بدل دیتے ہیں۔ بچے کھیلنے کی بجائے ڈھٹائی سے بم کے سائے تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ خواتین اپنے زخمی بچوں کو گود میں اٹھائے ہسپتال کے دروازے کھٹکھٹاتی ہیں اور بزرگ اپنی برباد شدہ جائیدادوں کے درمیان آنکھیں نم کیے بیٹھے ہیں۔ ٹرمپ کی نظر صرف اس سرزمین کے نیچے چھپی قدرتی دولت پر مرکوز ہے، نہ کہ ان کی جان و مال پر۔ غزہ کے شہداء اور زخمی فلسطینی ٹرمپ کے تجارتی منصوبوں کے سامنے محض اعداد ہیں، جن کے دکھ و غم کا کوئی حساب نہیں۔

وینزویلا: امریکی شب خون اور اغواء کی سازش

جہاں غزہ میں فلسطینیوں کی زمین خون میں رنگی ہوئی ہے، وہیں وینزویلا کی سرزمین امریکی شب خون کے خطرے سے دوچار ہے۔ نیکولس مادورو اور اس کی اہلیہ کا مجرمانہ اغواء دراصل تیل، گیس اور معدنیات کی دولت سے مالا مال لاطینی امریکی ملک کی دولت ہتھیانا ہے۔ جب امریکیوں کو یہ دولت وہاں کی حکومت کا ضمیر خرید کر حاصل نہ ہوئی تو اس کے لیے طاقت کا استعمال تیل کے ذخائر پر کنٹرول کا ایک نیا ذریعہ بنایا گیا۔ مادورو کی حکومت جو اپنی زمین اور عوام کے حق میں کھڑی ہے، امریکی دباؤ اور جارحیت کی زد میں ہے۔ یہ وہی ریاست ہے جس کی جھیلوں میں بے پناہ تیل ہے، اور جس کی دولت امریکی کمپنیوں کی آنکھوں کو چمکا رہی ہے، مگر جس کے عوام امریکی جارحیت کے خوف میں سانس لے رہے ہیں۔

امریکی پالیسی کی جڑیں صدیوں پر محیط ہیں۔ وہی وحشیانہ سرمایہ دارانہ سوچ، جس نے امریکہ کی زمین میں مقامی امریکیوں کی نسل کشی کی، آج غزہ اور وینزویلا میں عملی صورت اختیار کر رہی ہے۔ فلسطینی اور وینزویلا کے عوام کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں، ان کی دولت لوٹی جا رہی ہے اور ان کی سرزمین پر قبضہ کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ٹرمپ اور امریکی ادارے ریاستی طاقت، فوجی جارحیت اور اقتصادی دباؤ کے ذریعے ان کے عوام کو دبانے، ان کی دولت چھیننے اور انہیں غلام بنانے پر تلے ہیں۔

عالمی نظام کا نوحہ

غزہ میں لاکھوں فلسطینی اور وینزویلا میں عوام کے درمیان انسانی المیہ ایک زنگ آلود حقیقت کی مانند کھڑا ہے۔ یہ المیہ عالمی برادری کے لیے ایک چیلنج ہے، جسے نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ عالمی تنظیموں، انسانی حقوق کے اداروں اور سول سوسائٹی کے لیے لازم ہے کہ وہ فوری اقدامات کریں، تاکہ عوام کی جان، دولت اور آزادی محفوظ رہ سکے۔ عالمی برادری کی خاموشی، امریکی جارحیت کے لیے سبز جھنڈی ہے۔

طمع انگیزی کے پیچھے انسانی قربانیاں

غزہ کی پٹی میں شہید ہونے والے بچے، وینزویلا میں شب خون کے خوف سے لرزتے لوگ امریکی لالچ اور جارحیت کی قیمت ہیں۔ ٹرمپ کی آنکھیں دولت اور معدنیات پر ہیں، انسانی زندگی اور حق و انصاف پر نہیں۔ یہ وہ سیاست ہے جو دنیا کے کمزور اور مظلوم عوام کی زندگیوں کو قربان کرتی ہے، تاکہ طاقتور اپنی دولت، قبضے اور تجارتی مفادات حاصل کر سکیں۔

امریکی جارحیت کے سامنے فلسطینی اور وینزویلا کے عوام کی مزاحمت، ان کی قربانیاں اور ان کی جانوں کا زخم، تاریخ میں انسانی المیے کے طور پر محفوظ رہیں گے۔

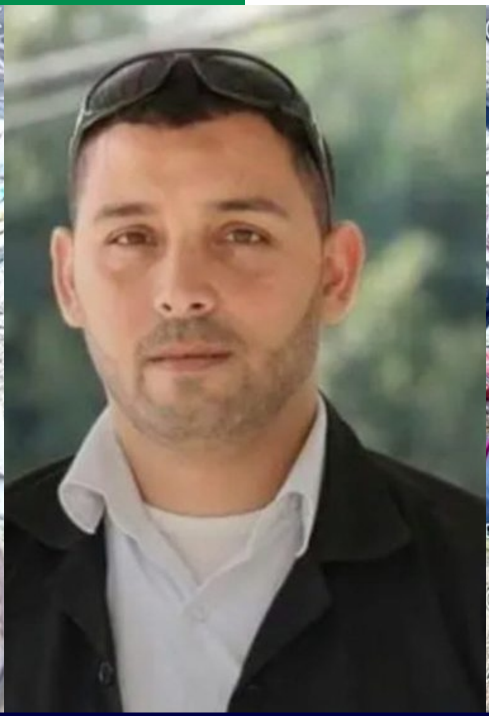

براہ راست رپورٹ: لمیس تغرید

چھلنی کے ذریعے بیوی اور بچوں کی باقیات کی تلاش

ایک ایسے گھر کے کھنڈرات میں جواب گھر نہیں لگتا، نوجوان فلسطینی محمود حماد ایک معمولی سی چھلنی لیے بیٹھا ہے۔ وہ مٹی کو ایک ایک پتھر کر کے چھان رہا ہے تا کہ اپنی بیوی اور بچوں کی باقیات تلاش کر سکے، جنہیں غزہ پر مسلط کردہ جنگ کی بمباری نگل گئی۔

چھ منزلہ عمارت کا اب ملبے کے سوا کچھ باقی نہیں بچا، اور اسرائیلی بمباری کے بعد اس خاندان کا نام ونشان مٹ جانے کے بعد اب صرف ان کی یادیں ہی باقی ہیں۔ اس سنگین انسانی صورتحال میں، روزمرہ زندگی کے عام سے اوزار الوداعی ملاقات کا ذریعہ بن چکے ہیں، جو نہ صرف ایک خاندان کے المیے بل کہ جنگ اور محاصرے سے تھکے ہوئے پورے شہر کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔

حماد نے اپنی تلاش کے ان تکلیف دہ لمحات کو اپنے فیس بک پیج پر ایک ویڈیو کی صورت میں محفوظ کیا، جس میں وہ ایک عام سی چھلنی سے ملبہ چھانتے ہوئے اپنے خاندان کے افراد کی باقیات تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ویڈیو کے ساتھ لکھا:

’’بالآخر میں اپنی بیوی کی باقیات تک پہنچ گیا ہوں، اور اس قدیم طریقے سے میں انہیں اور ان کے پیٹ میں موجود (غیر مولود) بچے کی باقیات کو اکٹھا کر رہا ہوں، اور ان شاء اللہ میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی باقیات تک بھی پہنچ جاؤں گا۔‘‘

یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر تیزی سے وائرل ہوگئی، جہاں سماجی کارکنوں نے اس منظر پر گہرے صدمے کا اظہار کیا۔ انہوں نے اسے غزہ میں انسانی المیے کی بدترین تصاویر میں سے ایک قرار دیا، جہاں مسلسل بمباری، وسائل کی شدید قلت اور ریسکیو آلات کی عدم دستیابی نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔

محمود حماد کی بہن نے فیس بک پر اپنے بھائی کی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے لکھا:

’’مجھے اپنے بھائی کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے، نفرت نہیں بل کہ میرا دل پھٹ جاتا ہے۔ میرا اجڑ واں بھائی محمود، ہمارے درمیان صرف جسمانی طور پر موجود ہے، اس کی روح اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ جا چکی ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ دو سال میں سو سال کا ہو گیا ہو۔‘‘

انہوں نے مزید بتایا کہ ان کے بھائی نے پہلے تلاش روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ باز نہ رہ سکا۔ وہ دوبارہ گھر کے ملبے پر پہنچ گیا اور اپنے ہاتھوں سے مٹی کو ایک ایک ذرہ کر کے چھاننے لگا، یہاں تک کہ اسے اپنی بیوی اور بچوں کی باقیات مل گئیں۔ نتیجہ بالکل واضح تھا، اس کا چہرہ بدل گیا، کمر جھک گئی اور اس کی روح ٹوٹ گئی۔ ان کے بقول، محمود کے خدوخال اب دو سال کے نقصان اور انتظار کی داستان سناتے ہیں۔

سوشل میڈیا صارفین نے اس منظر کو شیئر کرتے ہوئے نشاندہی کی کہ یہ شخص ’’آٹا یا گندم نہیں چھان رہا، بل کہ ملبے میں اپنی بیوی اور بچوں کی ہڈیوں کے ٹکڑے تلاش کر رہا ہے۔‘‘ یہ ایک ایسی تصویر ہے جو ان ہزاروں فلسطینیوں کے دکھ کو سمیٹے ہوئے ہے جو بھاری مشینری کی کمی کے باعث اپنے پیاروں کی باقیات قدیم اوزاروں سے نکالنے پر مجبور ہیں۔

دیگر لوگوں نے سوال اٹھایا کہ کیا تاریخ نے کبھی ایسا ظلم دیکھا ہے جیسا غزہ کے باشندے سہہ رہے ہیں؟ حماد کی کہانی ان ہزاروں کہانیوں میں سے ایک ہے، جب کہ اب بھی بڑی تعداد میں شہداء ملبے تلے دبے ہوئے ہیں کیوں کہ اسرائیل انہیں نکالنے کے لیے ضروری سامان کی ترسیل روک رہا ہے۔ بلاگرز نے حماد کے خدوخال میں آنے والی ہولناک تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، ’’کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے؟‘‘ انہوں نے سانحے سے پہلے اور بعد کی تصاویر کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کے درمیان سال نہیں بلکہ جنازے گزر رہے ہیں۔

ایک صارف نے لکھا: ’’جنگ ہر کسی کو نہیں مارتی، کچھ کو اس حال میں زندہ چھوڑ دیتی ہے۔‘‘ جب کہ دوسروں کا کہنا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کے منظر کو ذہن سے نہیں نکال پا رہے جو چھلنی سے اپنے بچوں کی ہڈیاں ڈھونڈ رہا ہے۔

سرگرم کارکنوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک دستاویزی جرم ہے، جہاں ہزاروں فلسطینی لاشیں ملبے تلے گل سڑ رہی ہیں اور بھاری مشینری کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ 7 اکتوبر 2023 کو شروع ہونے والی اس جنگ کے دو سالوں میں اب تک 71,000 سے زائد فلسطینی شہید اور 171,000 زخمی ہو چکے ہیں، جن میں اکثریت خواتین اور بچوں کی ہے۔

غزہ میں قابض اسرائیلی فوج کی فائرنگ سے 18 فلسطینی شہید

غزہ کی پٹی کے مشرقی علاقوں میں قابض اسرائیلی افواج کی وحشیانہ فائرنگ اور گولہ باری کے نتیجے میں 5 معصوم بچوں سمیت 18 شہری جامِ شہادت نوش کر گئے۔ غاصب صہیونی فوج کی جانب سے سیز فائر معاہدے کی مسلسل خلاف ورزیوں کا سلسلہ ابھی تک پوری سفاکیت کے ساتھ جاری ہے۔

مقامی ذرائع نے بتایا کہ قابض اسرائیلی ٹینکوں نے غزہ شہر کے مشرقی محلے التفاح میں شدید گولہ باری کی اور حبوش خاندان کی رہائشی عمارت کو نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں دو بچوں سمیت خاندان کے 4 افراد شہید ہو گئے۔

ذرائع کے مطابق شہداء میں 13 سالہ ریتال محمود حبوش، 40 سالہ یوسف محمد حبوش، 22 سالہ احمد طلعت حبوش اور 16 سالہ بلال اشرف حبوش شامل ہیں۔ اسی محلے میں گذشتہ روز سے جاری مسلسل اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں مزید 7 فلسطینی بھی شہید ہوئے ہیں۔

غزہ شہر کے ہی مشرقی علاقے الزیتون میں قابض اسرائیل کی بمباری سے ایک خاتون اور شیر خوار بچے سمیت تین شہری شہید ہو گئے۔ مقامی ذرائع کے مطابق ان شہداء میں 60 سالہ علی احمد سلمی، 55 سالہ بسینہ محمد عیاد اور محض 5 ماہ کا شیر خوار بچہ صقر بدر الحتو شامل ہیں۔

جنوبی غزہ کے شہر خان یونس کے علاقے قیزان ابو رشوان میں قابض اسرائیلی فوج کے توپ خانے سے شہریوں کے خیموں اور گھروں کو نشانہ بنایا گیا جس سے ایک بچے سمیت تین فلسطینی شہید ہو گئے۔ شہداء کی شناخت 21 سالہ محمود ایمن الراس، 28 سالہ سلیمان ابوستہ اور ان کے 12 سالہ بیٹے فرید کے نام سے ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں خان یونس میں ہی ابو حداید خاندان کا ایک بچہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا جو گذشتہ دنوں قابض دشمن کی فائرنگ سے زخمی ہوا تھا۔ خان یونس کے مشرقی، وسطی اور جنوبی علاقوں میں قابض دشمن کی عسکری گاڑیوں نے بھاری مشین گنوں سے اندھا دھند فائرنگ کی جبکہ اسرائیلی بحریہ کی جنگی کشتیوں نے بھی ساحلی علاقوں پر گولے برسائے۔

دوسری جانب قابض اسرائیلی فوج نے دعویٰ کیا ہے کہ شمالی غزہ میں ''یلو لائن'' کے قریب مسلح افراد کی فائرنگ سے ان کا ایک افسر شدید زخمی ہو گیا۔ اسی حوالے سے عبرانی اخبار یدیعوت احرونوت نے اسرائیلی فوج کی جنوبی کمان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ غزہ میں عسکری ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ سیز فائر معاہدے کے آغاز سے اب تک قابض اسرائیلی افواج کی بار بار کی خلاف ورزیوں کے نتیجے میں 553 فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں 179 بچے اور 69 خواتین شامل ہیں جبکہ 1463 افراد زخمی ہوئے ہیں۔

7 اکتوبر 2023 سے جاری نسل کشی کی اس ہولناک جنگ میں اب تک قابض افواج 71,803 سے زائد شہریوں کو شہید اور 1,71,570 سے زائد کو زخمی کر چکی ہیں۔ اس سفاکیت کے نتیجے میں غزہ کا 90 فیصد سویلین انفراسٹرکچر ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے جس کی تعمیرِ نو کے لیے اقوام متحدہ نے تقریباً 70 ارب ڈالر کے اخراجات کا تخمینہ لگایا ہے۔

”غزہ میں جنگ بندی ہوگئی،
اب مغربی کنارے کا حساب باقی ہے۔“

''ٹرمپ کا غزہ امن منصوبہ''